# خطبۂ صدارت



جو

## پنڈت موتی لال نہرو صاحب

نے

## انڈین نیشنل کانگریس

کے

۴۳ ویں اجلاس منعقدہ کلکتہ میں دیا

اصل انگریزی سے اُردو میں ترجمہ




## دوستو!

آپ نے دوسری مرتبہ اس عظیم الشان قومی اجتماع کا صدر منتخب کر کے میری جسقدر عزت افزائی کی ہے۔ اسکے لئے میں صمیم قلب سے شکر گذار ہوں۔ یہ اعزاز اگرچہ بے نظیر ہے تاہم اسکے ساتھ ایک ذمہ داری کا ایک پشتارہ بھی ہے۔ جو ہلکا نہیں اور ہم میں سے شجاع ترین لوگ بھی اسے بارِ دوش بنانے میں پس وپیش کرینگے۔ آپ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں کہ مجھے بھی اس میں تامّل تھا۔ لیکن آپ نے جس شفقت و مہربانی سے مجھ پر اظہار اعتماد کیا تھا اُسنے میرے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ چھوڑا کہ میں آپ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دوں اور ایک ملّت عظیم کے جہاد حریّت میں اُس کی قیادت کا بار گراں اٹھا لینے کی کوشش کروں۔ آپ کی اسی شفقت نے مجھے آپ سے یہ توقع کرنے کی ہمت دلائی ہے کہ اس کار عظیم میں جو آپ نے میرے سپرد کیا ہے ہر ممکن طریق پر شرکت و تعاون کرینگے۔

نو سال کا عرصہ ہوا کہ مجھے کانگریس کی صدارت کا شرف حاصل ہوا تھا، مارشل لا اپنے تمام مہیب نتائج اور پیچیدگیوں کیساتھ آ کر چلا جا چکا تھا اور ہم اپنے غیر ملکی فرمانرواؤں کیساتھ قوت آزمائی کی تیاریاں کر رہے تھے، قوت آزمائی کا عہد جلد آیا اور اگرچہ ہم اس سے مظفر و منصور اور سرخرو ہو کر نہیں نکلے۔ تاہم ہم نے اس نبرد آزمائی میں نشان اعزاز اور مستقبل کے لئے فتحمندی کا وعدہ حاصل کر لیا وہ پیکر عظمت و وقار یعنی ہندوستان تھوڑی دیر کیلئے بیدار ہو گیا اور اُسکی بیداری نے سلطنت برطانیہ کی بنیاد متزلزل کر دی اسکے بعد ردّ عمل اور

رجعت کا زمانہ آیا لیکن اب پھر ہم ایک عظیم تر بیداری کے آثار و علائم بدیہی طور پر دیکھ رہے ہیں اور جب ہندوستان پوری طرح بیدار ہو کر پیشقدمی کریگا تو اسے کون روکیگا؟ ڈائرشاہی اور اوڈائرشاہی کے بعد ترک موالات کا عہد آیا تھا! اسی نوع کی کوئی خطرناک چیز پھر فضا میں ہے اور ہم پھر ایک اور جہاد آزادی کی چوکھٹ پر ہیں افسوس ہے کہ اس جدوجہد میں ہمیں کئی چشم آشنا چہرے نہیں دکھائی دینگے۔ ہمیں کئی معتمد مشیر اور شجاع سپاہی نظر نہیں آئینگے جو ہمیں ہمیشہ کیلئے داغ مفارقت دے چکے ہیں۔ ہمیں حکیم اجمل خان اور لالہ لاجپت رائے کی جدائی کا قلق ہوگا جن کی موت نے سال بھر میں ہندوستان کو امتحان کے وقت دو معتمد ترین اور شجاع فرزندوں سے محروم کر دیا ہے، دوسرے قومی کارکنوں میں جو ہم سے بچھڑ چکے ہیں مگن لال گاندھی، گوپا بندھو داس اور اندھرا تانا، گوپال کرشنوا کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ میں نہایت احترام کیساتھ کانگریس کی جانب سے اپنے بچھڑے ہوئے رفقائے کے خاندانوں کی تعزیت کرتا ہوں۔

اب میں اُس فوری کام کے متعلق جو ہمارے سامنے ہے اپنے خیالات اور تجاویز پیش کرتا ہوں آپ کو مایوسی کی زحمت سے بچانے کیلئے میں آپ کو ابتدا میں ہی ایک صفائی پر مشتمل بیان کیلئے تیار کرنا چاہتا ہوں جو ایک حقیقی دنیا میں رہنے والے سیدھے سادھے انسان کا بیان ہے تمنّاؤں کی خیالی دنیا سے اسے سروکار نہیں ہیں آپ کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ مجھ سے جاذب نظر اور دلکش الفاظ و تراکیب سے مرصّع اعلیٰ اور بلند "آئیڈیلزم" کے قسم کی کسی چیز کی توقع رکھتے ہیں تو آپ کو مایوسی ہو گی۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ اگر "آئیڈیلزم" کا مفہوم زیادہ وسیع لیا جائے تو میں اس سے نفور ہوں۔ یا کسی دوسرے شخص سے اس بارہ میں میرا عقیدہ ضعیف ہے بلند ترین "آئیڈیل" (نصب العین) کو مطمح نظر بنانا بے انتہا ضروری ہے بشرطیکہ آپ اسکے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں لیکن نرا "آئیڈیلزم" جو حقائق سے بالکل بے نیاز ہو اسے سیاسیات میں کوئی جگہ نہیں مل سکتی اور محض ایک مسرت انگیز خواب ہے جس سے جلد یا بدیر جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا جائیگا۔ "آئیڈیل" (نصب العین) خواہ کتنا ارفع کیوں نہ ہو، اور جتنا ارفع ہو گا اتنا ہی بہتر ہے لیکن اسکے حصول کیلئے جو کام کیا جائے اسکی بنیاد عملی غور و فکر پر ہونا چاہیے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم اس "آئیڈیل" کیمتعلق متحد الخیال ہیں اگرچہ ہم اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں اسیطرح مجھے اس امر کا بھی

یقین ہے کہ اسکے واحد طریق حصول کے متعلق بھی ہم میں اتفاق رائے ہے لیکن یہ حقیقت بےحد المناک ہے کہ ہم نے اپنے اختلافات کو ایسے معاملات پر جو میرے نزدیک غیر ضروری ہیں اسقدر وسیع کر دیا ہے کہ لکڑی اور درخت میں باعتبار جنس جو اشتراک اور قرب ہے ہم اسے بھی نہیں سمجھ سکتے یہی اختلافات ہماری ناکامیوں کی تہ میں کام کر رہے ہیں اور ان مختلف و متباین عقاید و خیالات کے حقیقی ذمہ دار ہیں، جنہوں نے مشترکہ عمل ناممکن کر دیا ہے۔ میری ناچیز رائے میں اس ساری مصیبت کا سرچشمہ مختلف و متنوع رجحانات ہیں ہم حالات کے بعض پہلوؤں کا اندازہ کرنے میں بعض کو اپنی اصلی سطح سے بلند تر سمجھ لیتے ہیں اور بعض کو پست تر!

مثال کے طور پر ایک گروہ کا مخصوص عقیدہ اور خیال ہماری کمزوریوں کے متعلق اس حد تک مبالغہ سے لبریز ہے کہ اسکے نزدیک ہم اپنے جابر فرمانرواؤں کے لطف و عطا کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں کر سکتے، اس کے بالکل برعکس ایک اور مخصوص الرائے جماعت ہے جو ہماری کمزوریوں اور فریق مخالف کی طاقت و قوت کو بالکل نظر انداز کر کے اس دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے پر تیار ہے میں اپنی بساط کے مطابق کوشش کرونگا کہ کسی چیز کو نظر انداز کئے بغیر ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھوں اور پھر مجھے جو بہترین طریق عمل نظر آئے اسے آپ کی قبولیت کے لئے پیش کر دوں:-

میرے نزدیک ہر صاحب الرائے شخص کا فرض ہے کہ بقدر وسع اس کام میں اعانت کرے کہ اس کا ملک زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے لیکن حالت موجودہ میں اپنی آرزوؤں کے مطابق ضروری تبدیلی کرنے کی غرض سے جو طریق کار اختیار کرنا چاہیے اسکا تعلق حالات و اسباب سے ہے اور ہر زمانہ اور ہر ملک میں حالات و اسباب یکساں نہیں ہو سکتے۔ مجرد معاملات کے اجزائے ضروری ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں لیکن عملی معاملات کی بعض ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جن پر کوئی عام قاعدہ یا خاص مثال منطبق نہیں ہو سکتی دنیا میں آپ کو دو آدمی ایسے نہیں ملیں گے جو ایک نقطہ سے چلے ہوں اور انھوں نے ایک ہی راہ اختیار کی ہو ان کو ہمیشہ بدلنے والے حالات کی متغیر کیفیت سے مطابقت رکھنے کے لئے راہ میں تبدیلی کرنا پڑتی ہے ہم دوسروں کی ناکامی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن انکی کامیابی سے ہمیں بہت کم فائدہ ہو سکتا ہے اسکی وجہ بدیہی ہے، دوسروں کی غلطیوں سے اس حالت میں احتراز آسان ہے جبکہ ہم بھی بالکل ویسی یا اسی قسم کی حالت ابتلا میں پھنس جائیں جس میں ان غلطیوں کا ارتکاب کیا گیا تھا لیکن یہ ناممکن ہے کہ ہم ان موثر اجزاء

عناصر کو جن سے کسی ملک میں کامیابی ہوئی ایسی صورت میں کہ سرکارے آئیں جبکہ ہمارے ملک میں ان عناصر کا وجود ہی نہیں عملی حیثیت سے ہمارے سامنے اس وقت یہ سوال ہے کہ ان حالات میں جن میں کہ ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان اسباب و ذرائع کی مدد سے جو ہمارے پاس موجود ہیں ہم کیونکر اپنا مال کم از کم لاگت پر بیچ سکتے ہیں دوسرے ممالک کی غلط تمثیلات سے اصل کام میں پیچیدگی پیدا ہونیکے سوا اور کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ہمارے سامنے جو کام ہے اسکے متعلق کوئی صحیح خیال قائم کرسکنے کیلئے ہمیں تین سوالوں کا جواب دینا پڑیگا۔

(۱) ہم کہاں کھڑے ہیں؟ (۲) ہماری منزل مقصود کیا ہے؟ (۳) ہم منزل مقصود تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں؟

میں اپنی بساط کے مطابق ان سوالات کا جواب منطقی زاویہ نگاہ کی بجائے عملی زاویہ نگاہ سے دینے کی کوشش کرونگا۔

ہمیں پہلے اس امر کے متعلق یقین حاصل کرلینا چاہئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں تاکہ جب ہم چلیں تو کہیں توازن ہی نہ کھو بیٹھیں یہ سوال دو پہلو رکھتا ہے ایک کا تعلق تو حکومت سے ہے اور دوسرے کا تعلق خود ہم سے۔ اول الذکر کے متعلق ہم سب جانتے ہیں کہ ہمیں جسقدر سیاسی اور شہری حقوق حاصل ہیں انکی حیثیت ایک مشروط عطیہ و انعام کی ہے جس سے ہم اپنے فرمانرواؤں کی خوشنودی کے زمانہ میں ہی بہرہ اندوز ہوسکتے ہیں۔

وہ اپنی قوت و اختیار کے وسیع ذخیرہ کی مدد سے جس کی عنان انکے ہاتھ میں ہے جب چاہیں ہر وقت کسی وجہ کی بنا پر یا بلا وجہ ہمیں ان حقوق سے محروم کرسکتے ہیں اور ہزاروں انسانوں کو محروم کرتے رہتے ہیں میں ایک ایسی داستان کا اعادہ کرکے جو بارہا کہی جاچکی ہے اپنے خطبہ کو طویل نہیں کرنا چاہتا یہ امر محتاج بیان نہیں کہ موجودہ حکومت نے کیونکر قانونی اور انتظامی اور عاملانہ کارروائیوں سے اپنے آپ کو سیاسی اور اقتصادی حیثیت سے مضبوط اور قوی بنالیا ہے اور اگر میں ان متشددانہ اور جابرانہ کارروائیوں کی طویل فہرست آپکے سامنے پیش کردوں جو سلطنت برطانیہ کی ابتدا سے آج تک بروئے کار آتی رہی ہیں یا آپ کو یاد دلاؤں کہ جب ہم اپاہج کردیئے گئے تو پھر صحت کا دروازہ ہم پر کیوں بند کردیا گیا، تو اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنی کھوئی ہوئی قوت کے حصول ذاتی نشو و ظہور اور تکمیل نفس کا موقع دینے سے متواتر انکار کیا گیا ہے جن کیلئے دیش بندھو چترنجن داس اپنی زندگی کے آخری سالوں میں نہایت شجاعت اور پامردی سے جد و جہد کرتے رہے۔ اور اپنے ملک کے داخلی و خارجی معاملات میں موثر حصہ لینے کی تمام راہیں ہم پر مسدود کردی گئی ہیں۔

ذمہ دار حکومت کے مقدس وعدہ کا ایفا آئینی کمیشن کے عفریت پیکر فریب کی صورت میں کیا گیا جو ہمارے ملک کے گلی کوچوں میں گشت کررہا ہے اور اپنے پیچھے خون آلودہ سر اور استخوان شکستہ کی یادگاریں چھوڑتا

جارہا ہے کمیشن کی اس شہر گردی نے ایک جانب حکام کی سرد مہری اور ڈھٹائی اور دوسری جانب حفاظت ذاتی کے معاملہ میں لوگوں کی بے بسی واضح کر دی ہے اس سلسلہ میں جو حالات رونما ہوئے ان سے میرے نزدیک محصل وائے فرائض میں حکومت کی سوائے عالم کوتاہی کے آثار نمایاں نہیں بلکہ ایک اہم عضوی بیماری کے علائم نظر آرہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈائرشاہی کا زہر انکے نظم ونسق کی تہ میں موجود ہے لاہور اور لکھنؤ کے واقعات کو سطح کا معمولی ابھار سمجھنا چاہئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندر ہی اندر شدید مرض جڑ پکڑ چکا ہے ہم کو جریدہ "اسٹیٹسمین" کلکتہ کے نامہ نگار خصوصی کی حماقت کا مرہون منت ہونا چاہئے جسکی وجہ سے ہمیں کمیشن کے ممبروں کی ذہنیت کی ایک جھلک نظر آ گئی جسے حکومت کی ذہنیت کا عکس سمجھنا چاہئے وہ کہتا ہے

"کانپور کے مناظر نے اس نفسی اثر کا خاتمہ کر دیا ہے جس کی ابتدا دہلی میں ہنگامہ آفریں مناظر سے ہوئی تھی کمیشن کے بعض ارکان اس امر پر غیظ وغضب کا اظہار کر رہے ہیں کہ ایسے واقعات کو کیوں برسر کار آنے دیا گیا میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر کمیشن کے ارکان اس ہفتہ میں اپنی رپورٹ لکھتے تو لارڈ سالسبری نے "ایک اور معاملہ میں" بیس سال تک مضبوط اور سخت گیر حکومت" کا جو نسخہ تجویز کیا تھا کسی مزید ترقی کی بجائے وہی ان کے ذہن میں بھی آجاتا"

گویا ہندوستان کیلئے ذمہ دار حکومت حاصل کرنے کا صرف ایک طریقہ یہ ہے کہ کمیشن کے بلند پایہ اراکین کے سامنے چاپلوسی کی جائے اور "اعتماد" کا جھوٹا اعلان کر کے انہیں خوش کیا جائے اور بیس سال تک سخت گیر حکومت کی بلا مول لینے کا یقینی طریقہ یہ ہے کہ کمیشن کے اراکین کی نسبت اپنے صحیح جذبات ظاہر کر دیئے میں صرف اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان چاپلوسی کے معاوضہ میں ذمہ دار حکومت قبول کرنے سے انکار کر دیگا اور "سخت گیر حکومت" کو ترجیح دیگا لیکن کیا وہ بیس سال تک قائم رہیگی؟ اسکا فیصلہ صرف مستقبل ہی کر سکتا ہے. نحوست کے اس سردار کاہن نے مستقبل کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے وہ آگے چلکر کہتا ہے

"مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں مہیب اور ڈراونے حقائق کی تصویر دیکھ رہا ہوں اور مستقبل کے پردہ سے پیشقدمی کرنیوالے لوگوں کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی ہے"

یہ الفاظ مقاطعہ کے اس عظیم الشان مظاہرہ پر کہے گئے جس نے کانپور میں سرجان سائمن کی آمد کے موقع پر انکا خیر مقدم کیا تھا یہ امر قابل غور ہے کہ جب یہ مراسلہ نگار یہ احمقانہ مکتوب بھیج رہا تھا تو پولیس سپرنٹنڈنٹ کانپور مظاہرہ کے منتظمین کے نام ایک خط لکھ رہا تھا جس میں انکے حسن انتظام اور کسی ناگوار واقعہ کے فقدان پر اظہار تشکر کیا گیا تھا مجھے یقین ہے کہ یہ مکتوب اخبارات میں شائع ہو چکا ہے لیکن ایڈیٹر نے مراسلہ نگار

کی ہمت افزائی کا فرض اپنے اعلیٰ مرتبہ کیمطابق ایک معاندانہ حملہ کر کے انجام دیا ہے جس میں اُسنے یہ دھمکی دی ہے کہ جبتک ایک اونس گولی بارود موجود ہے ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی مزاحمت کی جائیگی مجھے یقین ہے کہ اس ایڈیٹر اور اسکے مراسلہ نگار دونوں میں ایک اونس تمیز ہوتی تو وہ اس آسانی کیساتھ سرکاری راز طشت ازبام نہ کر دیتے۔ ہمیں انکی اس بروقت تنبیہ کا شکر گذار ہونا چاہیئے اور انہیں یقین دلانا چاہیئے کہ ہم اسکے لئے تیار ہیں اس وقت ایک سخت گیر حکومت سے زیادہ کوئی چیز معاملات کو رو براہ نہیں کر سکتی۔

ہمارے انگریز دوستوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ انہیں ان مظاہروں سے صدمہ ہوا ہے میں انکی احمقانہ گفت و شنید نظر انداز کر دیتا لیکن پچھلے اس موضوع پر اسی شہر میں وائسرائے نے ایک مدبرانہ بیان دیا اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اسکے جواب دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، ناگوار واقعات پر خواہ کسقدر اظہار اندوہ ملال کیا جائے پھر بھی اس امر میں شک نہیں کہ عوام کو پرامن مظاہرے برپا کر کے اپنے جذبات کے اظہار کا حق حاصل ہے ہندوستان میں کمیشن کی مراجعت کے بعد جو مظاہرے برپا کئے گئے انہیں "غیر مہذبانہ اور ناگوار" سے تعبیر کیا گیا ہے میرا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے مظاہرے یقیناً اپنی نوعیت کے اعتبار سے ان لوگوں کیلئے جن کے خلاف وہ برپا کئے گئے ہیں "ناگوار" ہونگے اور یہ امر قرین دانش نہیں کہ آپ ایک مجمع سے جو مخالفت پر تلا ہوا ہو درباری آداب و رسوم کی توقع رکھیں وائسرائے نے دو پورے ریمارکس کئے ہیں اور ایک دھمکی دی ہے جن میں سے پہلا ریمارک یہ ہے۔

"جو لوگ اس قسم کے مظاہرے برپا کرتے ہیں وہ خود بھی تشدد پر اظہار افسوس کیوں نہ کریں۔
لیکن بسا اوقات وہ خود بھی ان قوتوں کو جنہیں وہ برانگیختہ کر دیتے ہیں قابو میں نہیں رکھ سکتے۔"

دوسرا ریمارک یہ ہے۔

"وہ لوگ جنہوں نے یہ ناہموار خطرناک اور غیر ہوشمندانہ طریق اختیار کیا ہے خواہ اس غلطی سے کسی مقصد کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہوں یقیناً اپنے آپ پر ایک گرانبار ذمہ داری عائد کر لیتے ہیں۔"

وائسرائے نے یہ دھمکی دی ہے "حکومت کا بدیہی فرض یہ ہے کہ وہ اس نوع کے ناشائستہ واقعات کا سدباب کرنے کے لئے جو کارروائی ضروری سمجھے کرے۔

میں ہز اکسیلنسی وائسرائے کے پہلے ریمارک سے متفق ہوں، اور دوسرے سے بھی اتفاق کر لونگا بشرطیکہ وہ "ناہموار اور غیر ہوشمندانہ" کی جگہ لفظ "فطری" استعمال کریں لیکن ان دونوں پورے ریمارکس کی حقانیت سے کوئی سروکار نہیں باقی رہی انکی تہدید تو لارڈ اسٹینلے ایک ہفتہ پیشتر ہی کہہ چکا ہے اور اس سے صرف

اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سخت گیر حکومت کے خواب کی تعبیر جلد پوری ہو گی میں اس پر تبصرہ کر چکا ہوں اور اس سلسلہ میں کچھ اور نہیں کہنا چاہتا۔ اوّل الذکر کے متعلق میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ذمہ دار ہندوستانی لیڈروں کے بیانات سے یہ امر اب پایۂ تصدیق تک پہنچ چکا ہے اور ہمیں اسکے متعلق کامل تشفی ہو چکی ہے جسکی تردید کوئی محکمہ دارانہ تحقیقات نہیں کر سکتی کہ ان مظاہروں میں تشدد کی ابتدا پولیس کی جانب سے ہوئی۔ لوگوں نے ایک یا دو جگہ جواب دینے کی کوشش کی لیکن جلد ہی انکے لیڈروں نے ان کوششوں کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن اگر کسی موٹر پر جس میں منجملہ اور لوگوں کے کوئی خاتون میں اینٹ یا پتھر آ لگا یا اس جم غفیر میں چند لوگ کمیشن کے عالی مرتبہ اراکین کے قریب پہنچ گئے اور انکی قابل احترام "ناک" کے قریب جھنڈے ہلانے لگے تو کیا یہ کوئی ایسا معاملہ ہے جس پر شور مچانے کی ضرورت ہے مجھے یقین ہے کہ اندریں حالات انگلستان میں بد تر واقعات رونما ہوئے ہیں ان لوگوں سے جنھوں نے لاہور، لکھنؤ اور کانپور کے واقعات پر اظہار غیظ و غضب کیا ہے چند سوالات کرونگا۔

(۱) کیا کسی یورپین ملک علی الخصوص انگلستان میں کسی تحقیقاتی کمیشن کیلئے جسے لوگ قومی توہین سمجھتے ہوں اس آرائش اور حفاظت کیساتھ سفر کرنا ممکن ہے جو سر جان سائمن اور انکے رفقا کو ہندوستان میں میسر ہے۔

(۲) کیا اگر انگلستان میں کسی ایسے شخص کو جو انگریزوں میں اسیطرح غیر دلعزیز ہو جسطرح سر جان سائمن اور انکے رفقا ہندوستانیوں میں ہیں بر سر عام دعوت دینے کی کوشش کیجاتی تو تمام ریشمی جھنڈے اور زرکار سامان آرائش جو بٹلر پارک میں تھا تار تار نہ کر دیا جاتا اور تمام خوشنما اور زرنگار رنگ برنگی لیمپ جو تابان نظر آتے ہے تھے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیئے جاتے۔

(۳) اگر سر جان سائمن کے مکان میں پولیس گھس آئے انکے مہمانوں کو پیٹا جائے اور پھر گرفتار کر کے محض اسلئے رات بھر قید خانہ میں رکھا جائے کہ وہ اپنے مکان کی چھت سے پر امن مظاہرہ کر رہے تھے تو کیا وہ اسے پسند کرینگے۔

(۴) کیا اگر انہیں موجودہ حکومت کے خلاف رائے رکھنے کے جرم میں تھوڑے عرصہ کے لئے ہی اپنے گھر میں قید رکھا جائے تو وہ اسے پسند کرینگے؟

(۵) انگلستان میں کوئی ایسی حکومت جو ایسے واقعات کو جنکا ذکر سوال (۳) و (۴) میں ہے روا رکھتی ہے کبتک رہ سکتی ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ ایک بڑے قوم پسند اور اودھ کے رئیس کبیر مہاراجہ محمود آباد کے مکان کو پولیس کے ایک دستہ نے پہلی اسوقت گھیر لیا جبکہ رجعت پسند روسا پاس کے پارک میں کمیشن کے ارکان کو دعوت دے رہے تھے

اس حقیقت سے تمام لوگ باخبر ہیں کہ مہاراجہ صاحب نہایت پامردی سے کمیشن کے مقاطعہ کی حمایت کر رہے ہیں اور انھوں نے ہر ایسی تقریب میں جو کمیشن کے اعزاز میں ہو شرکت سے انکار کر دیا ہے۔

ایک معمولی شہری کی آزادی کا ذکر ہی کیا ہے جبکہ اودھ کا رئیس کبیر صوبجات متحدہ کی حکومت کا سابق ہوم ممبر جسے حکومت نے اعلیٰ سے اعلیٰ اعزاز عطا کئے اپنے گھر میں محض اس بنا پر محبوس کیا جا سکتا ہے کہ حکومت کے نزدیک اسکا عقیدہ ناپسندیدہ ہے کیا یہ چیز اس سخت گیر حکومت سے کم ہے جو اسٹیٹسمین کے مقالہ اور وائسرائے کی تقریر کے مطابق ہم پر مسلط ہونیوالی ہے درحقیقت سخت گیر حکومت ہم پر مسلط ہو چکی ہے۔

پچھلے دنوں لاہور میں ایک پولیس افسر کے قتل نے ان لوگوں کیلئے جو ہندوستان کی قومی طاقت کو تباہ کر دینے کا تہیہ کر چکے ہیں ایک نئے بہانہ کا سامان فراہم کر دیا ہے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمیں اس جرم پر بیحد افسوس ہے کانگریس خواہ وہ کامل آزادی پر یقین رکھتے ہوں یا مستعمراتی درجہ پر ہمیشہ عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہے ہیں اور اس اعتقاد کے بارہ میں اپنی صمیمیت قلب اور حسن نیت کے عملی ثبوت بیشمار مواقع پر دے چکے ہیں جن میں لاہور لکھنؤ کانپور اور پٹنہ کے گذشتہ واقعات شامل ہیں بحالت موجودہ یہ کہنا ناممکن ہے کہ لاہور کے اس واقعہ قتل کو کوئی سیاسی اہمیت حاصل ہے لیکن فرض کر لیجئے کہ اسے سیاسی اہمیت حاصل ہے تو ہم اس حقیقت سے قطع نظر نہیں کر سکتے کہ اس نوع کے واقعات کی ذمہ داری کا بارگراں حکومت کے کندھوں پر ہے تاریخ ہمیں سکھاتی ہے کہ اس قسم کے واقعات ایسے حالات کے آثار و علائم ہیں جن سے صرف اسی طرح مقابلہ کیا جا سکتا ہے کہ پالیسی میں قطعی اور دانشمندانہ تغیر کر دیا جائے جابرانہ طریقوں سے نہیں جو خود اپنے مقاصد کی ناکامی کا باعث ہوتے ہیں اور پھر عوام اپنی پوری طاقت سے انکی مزاحمت کرتے ہیں لیکن قسری حکومت کے لئے تاریخ کا درس عبرت سود مند نہیں ہو سکتا جبر و تشدد کی بدمستی پنجاب پر اثر انداز ہو چکی ہے اور بہت جلد یہ مدہوشی دوسرے صوبوں پر بھی چھا جائیگی۔

اس کمیشن کے معاملہ میں میں نے آپکا بہت وقت لیا ہے میں آپ سے معافی کا طلبگار ہوں اگر یہ معاملہ اس کام پر جو ہمارے پیش نظر ہے براہ راست اثر انداز نہ ہوتا تو میں اس کو قطع نظر کر لیتا کمیشن ایک فال بد ہے لیکن اس "خیر" سے خالی نہیں جس پر "شر" منتج ہوتا ہے اس نے ہمارے سامنے اپنے آدمیوں علی الخصوص طلبہ کی جرأت کی مثالیں پیش کی ہیں انھوں نے خطرناک اشتعال انگیزی کے باوجود بھی نہایت سکون سے کام لیا، لاٹھیوں کے وحشیانہ حملوں کے باوجود قدم جمائے اور اپنے خالی ہاتھ سینہ پر رکھے کھڑے رہے اور اپنے رفقاء اور لیڈروں کو بچانے کی کوشش میں زخم کھائے لیکن مطلقاً کوئی پرواہ نہیں کی یہ حقیقت ہے، کہ موجودہ حالت میں ہم مزاحمت کئے بغیر ان بزدلانہ حملوں کا شکار ہوتے رہینگے۔

اب ہمیں "اقتصادیات" کی جانب توجہ کرنا چاہیے۔ انگلستان کی مسلسل چیرہ دستیوں اور اسکی زبردست اقتصادی گرفت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے جو اسنے قانون اور دوسرے ذرائع سے حاصل کر رکھی ہے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان میں برطانوی عہد حکومت پر نظر ثانی کی جائے میں صرف چند اقتصادی حقائق کی جانب آپکی توجہ منعطف کرانے پر اکتفا کرونگا۔ جنکی صحت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا دُنیا کے بیش قرار ترین فوجی اور ملکی عہدوں کے مصارف کا بار ہم پر ڈالنے کے علاوہ ہمارے امین اور سرپرست جو اپنے آپ کو اس نام سے پکارنے میں مسرت حاصل کرتے ہیں اپنی توجہات کو اس امر پر مرتکز کر رہے ہیں کہ ہندوستان میں انگلستان کی مصنوعات کیلئے منڈیاں پیدا کیجائیں یہ بلند مقصد کئی بالواسطہ اور بلا واسطہ ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے جو اسقدر کثیر ہیں کہ اس خطبہ کے دوران میں ان پر کوئی سیر حاصل تبصرہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک طویل داستان ہے جسکی ابتدا اس عہد سے ہوئی جبکہ ڈھاکہ کے دستکاروں پر وحشیانہ مظالم توڑے گئے اور پھر زیادہ مہذب غارتگری کا سلسلہ جاری رہا تا آنکہ موجودہ عہد آیا جبکہ بنک اور دوسرے تجارتی اور صنعتی حربے نہایت کامیابی سے ملک کی رہی سہی ہمت کا خاتمہ کر رہے ہیں۔

لیکن حکومت نے قانون اور دوسرے ذرائع سے ملک کو جس مضبوط ترین اقتصادی گرفت میں جکڑ رکھا ہے وہ شرح زر کے طریقہ کی مرہون منت ہے، اس بلند علمی مسئلہ کی تاریخ بیان کرنا بہت دشوار ہے لیکن یہ مسلّمہ امر ہے کہ صنعت وحرفت کا موجودہ انحطاط اور قیمت خرید کے معاملہ میں کاشتکاروں کی پستی کا راز حکومت کی اس کارروائی میں مضمر ہے کہ اُسنے روپیہ کی قیمت ایک شلنگ چار پنس سے ایک شلنگ چھ پنس کر دی اس طرح کاشتکار پر جس سے پہلے ہی زیادہ ٹیکس لیا جا رہا ہے اجناس خام کی پیداوار کی قیمت میں ۲½ فیصدی کا مزید بوجھ پڑ گیا، اور ہندوستان میں غیر ملکی مال کی درآمد کرنیوالے کو ۲½ فیصدی نفع رہا۔

بنگال چیمبر آف کامرس کے ایک رکن سر جارج گاڈفری کو پہلے پہل اس انکشاف کی سعادت بخشی گئی کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کی تجارتی وصنعتی بلند اقبالی کے جسقدر مستند حالات مشہور ہیں وہ سب کے سب قصّۂ کہانی ہیں ایسوشی ایٹڈ چیمبر آف کے گذشتہ اجلاس میں انھوں نے ایک تقریر کے دوران میں برطانیہ کی غاصبانہ دراز دستیوں کو حق بجانب قرار دیا اور اس کے ثبوت میں نہایت احمقانہ اور بودی دلیل پیش کی انھوں نے کہا کہ اگر لنکاشائر پر ہندوستان میں غارتگری کا الزام لگایا جاتا ہے تو لنکاشائر اسی طرح انگلستان کے دیہات کی غارتگری کا بھی

ذمہ دار ہے۔ بالتعجب کیا عجیب مقابلہ ہے میرے خیال میں سر جارج گاڈفری کے پاس انگلستان کی کوئی ایسی تاریخ موجود ہے جس سے باقی دنیا آگاہ نہیں اور جس میں اس حقیقت کا ذکر بھی ہے کہ انگلستان کی کوئی ایسی تاریخ موجود ہے جس سے باقی دنیا آگاہ نہیں اور جس میں اس حقیقت کا ذکر بھی ہے کہ انگلستان کے دیہات کے پارچہ بافوں کی انگلیاں کاٹ ڈالی گئی تھیں اور جس میں یہ امر بھی مذکور ہے کہ روئی کا محصول چونگی دیسی پارچہ پر لگایا گیا تھا اور غیر ملکی مال کی درآمد پر محصول نہیں لگایا گیا تھا انہیں مجبور ہو کر یہ تسلیم کر لینا پڑا کہ موجودہ زمانہ کی نسبت کسی زمانہ میں ہندوستان کی ساحلی جہاز رانی کا برا حصہ ہندوستانی جہاز رانوں کے قبضہ میں تھا لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی فرماتے ہیں "اگر اس میں ہندوستانی بحری قزاقوں کے مال کا محصول شامل کر لیا جائے جیسا کہ غالباً کرنا چاہیئے تو صحیح ہوگا"۔ اس بیان کی تصدیق کے لئے اس عہد کے ہندوستانی اور انگریز بحری قزاقوں کے محصول کے حساب کا معائنہ دلچسپ ہوگا جو غالباً تنہا سر جارج گاڈفری کے قبضہ میں ہے۔ جب تک وہ اسکے متعلق اعداد و شمار شائع کریں ہمیں انتظار کرنا چاہیئے اس اثنا میں ہمیں اپنے ساحلی محصول کے متعلق انکا تخمینہ صحیح تسلیم کر لینا چاہیئے جو انہیں کے قول کے مطابق معقول تھا تعجب ہے کہ آخر وہ کیونکر عملی طور سے معدوم ہو گیا لیکن یہ ایک دوسری حکایت ہے جسکا تذکرہ سر جارج گاڈفری کے معاملہ کے لئے مفید اور سودمند ثابت نہ ہوتا اسلئے نہایت ہوشیاری سے انھوں نے اس مسئلہ کی نسبت سکوت اختیار کر لیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کیونکر ہوا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہماری کامیاب اور روزافزوں تجارت کی تباہی کی ذمہ دار ناجائز اجارہ داری ہے جسے حاصل کرنے کے لئے نرخ اس حد تک گھٹا دیا گیا کہ کمی کی کوئی مزید گنجائش باقی نہ رہی اور اس مقصد کے لئے اس نوع کے کئی قابل اعتراض ذرائع استعمال کئے گئے اب ہم قانون کے ذریعہ اس غارتگری کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں تو ہمیں ناجائز نسلی تعصب کا قصوروار قرار دیا جاتا ہے اور ایسوسی ایٹڈ چیمبر (ایوان تجارت) ایک قرارداد منظور کر کے مطالبہ کرتا ہے کہ ہندوستانی مجالس مقننہ کو یہ قانون منظور کرنے کا حق نہ دیا جائے وقت مجھے مزید تفاصیل بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتا میں سفارش کرتا ہوں کہ سر جارج گاڈفرے اس بیش بہا لٹریچر کا مطالعہ کریں جو مسٹر حاجی کے مسودہ کے سلسلہ میں اسمبلی کے ممبروں کو بہم پہنچایا گیا ہے یہ تو ساحلی جہاز رانی کے متعلق تھا لیکن ہماری

بحری تجارت کے متعلق جو ایک جانب چین سے تھی اور دوسری جانب افریقہ سے کیا ارشاد ہوتا ہے؟ اگر سر جارج گارڈ فرے مستند تاریخ کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرمائیں جس سے ہر طفل مکتب آگاہ ہے تو انہیں معلوم ہو جائیگا کہ انھوں نے یہ دلیل پیش کرنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ ہندوستان اور پرتگال ہالینڈ اور انگلستان کے مابین جہاز رانی میں مقابلہ کا سراغ نہیں ملتا، اسلئے ہندوستان کی ماورائے بحر تجارت حقیر تھی حقیقت یہ ہے کہ پرتگال، ہالینڈ اور انگلستان نے ہندوستان کی تجارتی شاہراہوں پر جو افریقہ اور چین کے مابین تھیں مقابلہ ہی نہیں کیا بلکہ وہ اکثر ہندوستانی مصنوعات، مصالح اور دوسری پیداوار یورپ میں لے جاتے تھے جہاں ہندوستان کے جہاز نہیں پہنچتے تھے۔

میں سر جارج کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اسی زمانہ میں جگت سیٹھ کی ہنڈیوں کا احترام چین سے استراخان تک کیا جاتا تھا اور اگر وہ یہ بھی بھول گئے ہیں کہ جگت سیٹھ کون تھا تو میں انہیں یہ بھی یاد دلا دیتا ہوں کہ جگت سیٹھ وہ شخص تھا جسے کلائیو نے اپنی مشہور جعلسازی میں دھوکا دیا تھا۔

تاریخ میں دخل در معقولات دینے پر ہی اکتفا نہ کر کے اسی علی الشان اور کلکتہ ملک التجار نے آئین و دستور کی وادی طاقت شکار میں قدم رکھنے کی جرأت کی ہے اس لئے یہ شکایت کرکے اپنے آپ کو مایۂ تضحیک بنا لیا ہے کہ مستقل راتی درجہ کے اصول پر آل پارٹیز کانفرنس نے ہندوستان کے دستور کا جو خاکہ مرتب کیا ہے اس کے رو سے اہل برطانیہ کو حق رائے دہی حاصل نہیں اس اعتراض کا باعتبار نوعیت یہ اثر نہ ہوتا لیکن جب ہماری توجہ اس نکتہ چینی کی جانب منعطف کرائی گئی تو ہم نے لفظ "شہری" کی تعریف میں جو زیادہ واضح نہیں تھی ترمیم کرکے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی ہماری رپورٹ کا ضمیمہ جس میں ترمیم کی سفارش کی گئی ہے سر جارج گارڈ فرے کی تقریر سے تین ہفتہ پیشتر عوام کے سامنے آچکا تھا لیکن تجارتی اور مالی معاملات سیاسی حاضرہ سے زیادہ توجہ طلب ہیں۔

علی الخصوص ایک ایسے شخص کے لئے جو اس شان تمکنت کی دست برد سے ہونیکا تہیہ کر چکا ہو ایک اور ملک التجار مسٹر چارٹرز نے لیفٹیننٹ کے اجتماع میں جو انہیں کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اسی طرح فصیح البیانی کے جوہر دکھائے ہیں لیکن اس میں تہذیب و غیظ و غضب سوا کچھ نہیں اسلئے میں اس پر جرح کی آپ کی سمع

میرے متذکرۂ بالا بیانات سے یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ ہمارے مادی ذرائع پر عرصہ دراز سے غاصبانہ دراز دستی کے ساتھ ساتھ ہمیں ابدی طور پر اسیر اور مسلسل و مطوق رکھنے کیلئے نئی زنجیریں تیار کرنے کی کارروائی کی جا رہی ہے حکومت اسکے لیئے بہت حد تک جواب دہ ہے لیکن ہمیں صاف صاف اس امر کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ ہم خود اپنی موجودہ مصیبت کیلئے اپنے آپ کو قطعاً بری الذمّہ قرار نہیں دے سکتے۔ ایک ملت کی قوت و ضعف کا دارومدار اس زنجیر کی قوت و ضعف پر ہے جو اسکے مختلف اجزاء کو متحد رکھتی ہے۔ ہمارے معاملہ میں صدیوں سے یہ زنجیر زیادہ مضبوط نہیں اور نئے نظام کی ترقی کے ساتھ اس میں جس قدر قوت ربط و وصل تھی اسکا بیشتر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ ہم اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ہم کئی بڑی اور چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہیں جو کم و بیش غیر منظم و پراگندہ اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت ہی عوام کی جہالت و افلاس اور بہت حد تک مختلف طبقوں میں جذبۂ عداوت کے نشو و نما کی ذمّہ دار ہے۔ لیکن ہمارے معاشرتی نظام کی خرابیوں کا الزام بھی حکومت پر عاید نہیں کیا جا سکتا۔ جس نے ہمارے کروڑوں ہم وطنوں کو جو ہماری طرح انسان ہیں پستی کے گڑھے میں گرا کر اچھوت اور مظلوم اقوام کی صف میں کھڑا کر دیا اور عورتوں پر ایسے قیود عاید کر دیئے ہیں کہ انھیں صرف متعدد فطری حقوق سے ہی محروم نہیں کیا گیا بلکہ اُن سے قومی خدمت کا حق بھی چھین لیا ہے۔ اور نہ حکومت ان تمام جماعتی اختلافات کے لیئے جن پر ہمارے عہد کی تازہ تاریخ کا ایک تاریک باب مشتمل ہے کلیتہً جواب دہ اور ذمہ دار ہو سکتی ہے۔

آل پارٹیز کانفرنس کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں ہندوستان کے جماعتی سوال پر کافی بحث کی ہے اور ایک حل پیش کیا ہے جسکے متعلق مجھے اعتماد ہے کہ کانگریس اُسے منظور کرنے گی ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے وہ جماعتی اختلافات کی اصلاح و درستی سے زیادہ وسیع اور اساسی حیثیت رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مذہب کو اپنے موجودہ مفہوم اور عمل کے اعتبار سے اگر ہماری پبلک زندگی میں کوئی جگہ مل سکتی ہے تو وہ کس قسم کی جگہ ہوگی ؟

مذہب کا تصور خواہ کتنا بلند کیوں نہ ہو وہ ہماری روزمرّہ کی زندگی میں تعصب اور مذہبی جنون، غیر رواداراںہ جذبات اور تنگ نظری، خودغرضی اور کئی ایسی خوبیوں کی نفی کا مرادف بنکر رہ گیا ہے جو صحیح سوسائٹی کی تعمیر کر سکتی ہیں اسکا سب سے بڑا جذبہ اس شخص سے نفرت ہے

جو اُسکا حلقہ بگوش نہ ہو۔ اور اُسکے مقدس نام پر ارضی اور سفلی مقاصد سے زیادہ جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے
کیا کوئی صاحبِ عقل و ہوش انسان ہندو مسلمانوں اور مختلف فرقوں کے معمولی اور مضحک اسباب نزاع پر غور کرکے انگشت بدنداں نہیں رہ جائیگا کہ کوئی شخص جسے قدرت نے ذرہ بھر عقل دی ہو ان چیزوں سے کیونکر اثر پذیر ہو سکتا ہے؟

تمام تعلیم اور ترقی کا مقصد انسان کی اجتماعی جبلت کا نشو و ظہور ہے اُسے اپنے ہمسایہ سے تعاون کی تعلیم دیجائے اور وہ یہ محسوس کرے کہ اُسکی انفرادی بہبودی کا انحصار سوسائیٹی کی اجتماعی فلاح و بہبود پر ہے۔ اسی طرح خود غرضانہ اور انفرادی خصائص کو دباکر انسان کی قوت کو باہمی مقابلہ اور جد و جہد میں ضائع کرنیکی بجائے اُس سے فلاح عام اور خیر عمیم کے لیئے تعاون کا کام لیا جاسکتا ہے۔ مذہب اپنی موجودہ عملی حیثیت کے اعتبار سے سب سے بڑی افتراق انگیز طاقت ہے۔ وہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے مابین مصنوعی حد فاصل قائم کردیتا ہے اور تعاون و موالات کی صحیح قومی زندگی کے نشو و ارتقا میں سد راہ ہو جاتا ہے۔ اس کا ارتجاعی اثر صرف معاشرتی معاملات پر ہی نہیں بلکہ اُسنے سیاست اور اقتصادیات کی دنیا پر بھی حملہ کر دیا ہے اور ہماری زندگی کا ہر پہلو اُس سے متاثر ہو چکا ہے۔ اسطرح مذہب رسوا ہو چکا ہے اور سیاست گہرے گڑھے میں گر چکی ہے اس کا علاج صرف یہی ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے بالکل الگ کر دیا جائے۔
لیکن یہ حکایت تلخ یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ ایک عجیب مصیبت ابتدا سے ہماری سرگرمیوں کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے اپنے ملک کی آزادی کا وطنی فرض مقصد حیات قرار دے لیا ہے اور اس فرض کے ادا کرنے میں حتی الوسع انھوں نے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا انھیں بھی باہمی اختلافات سے نجات حاصل نہیں۔ ان اختلافات نے ہمیں بہت پیچھے ہٹا کر افتراق انگیز بلاؤں کے لیئے راستہ کھول دیا۔ جب کبھی آگے قدم بڑھایا گیا یا قدم بڑھانے کا محض ارادہ کیا گیا تو لیڈروں میں ایسے شدید اختلافات رونما ہوگئے جو بجلی کی سرعت سے سب میں پھیل گئے۔ ہمارے لیئے بہتر ہے کہ گذشتہ واقعات سے سبق سیکھیں کہ وہ مصیبت عظمیٰ جو بیس سال یا اس سے زیادہ عرصہ سے ہمارا تعاقب کر رہی ہے ہم پھر اسی کے شکار نہ ہو جائیں۔ وہ اجتماعیت کے لباس میں ہمارے قریب پہونچ گئی ہے اور اگر آپ نے اُسے زیادہ قریب آنے دیا تو مکمل آزادی اور استعمراتی درجہ دونوں کو نگل جائیگی۔

میں نے جو مختصر خاکہ آپکے سامنے پیش کیا ہے اُس سے آپکو معلوم ہوگا کہ ہم جنگل کے گنجان ترین حصہ میں کھڑے ہیں ہم دو قسم کے سخت امراض کا شکار ہو رہے ہیں جن میں سے ایک تو غیر ملکی حکومت کے

نتائج ہیں اور دوسرے خود کردہ یہ مشکل ہے کہ ہم متحدہ طور پر مقابلہ کیے بغیر بدیسی سے عہدہ برآ ہو سکیں اور اس وقت تک متحدہ مقابلہ بھی آسان نہیں جب تک وہ بدیسی ہمارے اندر رہ کر فرمانروائی کر رہا ہے۔ امراض کے دو گروہوں نے مجتمع ہو کر ہمارے اردگرد ایک ناپاک حلقہ قائم کر رکھا ہے اور ہم وسط میں کھڑے ہیں ہم ایک سے نجات حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں تو دوسرا بلائے جان ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس جنگل سے باہر نکلنیکی امید کریں ہمیں اس ناپاک حلقہ کو توڑ کر نکلنا پڑیگا۔

یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہماری منزل مقصود کیا ہے؟

میرا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ "آزادی" معنوی حیثیت سے صوری حیثیت سے نہیں آپ اسکا کوئی نام رکھ لیجیے، مدراس کانگریس نے مکمل آزادی کو منزل مقصود قرار دیا ہے۔ آل پارٹیز کانفرنس نے مستعمراتی درجہ کی سفارش کی ہے۔ میں اس سلسلہ میں ایک سے زیادہ مرتبہ اپنا پوزیشن واضح کر چکا ہوں لیکن آپکی اجازت سے میں اسے حتی القدر نہایت وضاحت سے بیان کرنیکی کوشش کرونگا۔ اسکا ملخص یہ ہے۔ میں کامل آزادی کا حامی ہوں اسقدر کامل جسقدر کہ ممکن ہے لیکن میں مکمل مستعمراتی درجہ کا بھی مخالف نہیں۔ اسقدر مکمل جسقدر کسی نوآبادی کو حاصل ہے بشرطیکہ میں اسے اس وقت سے پیشتر حاصل کر لوں کہ میرے لئے اس میں کوئی جذب و کشش باقی نہ رہے۔ میں برطانیہ سے موجودہ تعلق منقطع کر دینے کا حامی ہوں لیکن ان تعلقات کا مخالف نہیں جو برطانیہ اور نوآبادیات کے مابین موجود ہیں۔

اب میں اسکی توضیح کرتا ہوں غیر مقید اور غیر محدود قومی آزادی ہر انسان کی فطری خواہش ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ کوئی ہندوستانی خواہ وہ مرد ہو یا عورت، کسی جماعت یا گروہ کا رکن ہو یا تمام جماعتوں اور گروہوں سے الگ ایسا بھی ہے جو آزادی سے محبت نہیں کرتا یا اسے حاصل نہیں کریگا۔ جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا آزادی کا حصول اور اسکا قیام ممکن ہے۔ تو صرف اسی وقت اختلاف رونما ہوتا ہے اور ہمیں منقسم اور مختلف آرار نظر آتی ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں اپنی ذات اور اپنے اہل وطن پر اسقدر اعتماد ہے کہ وہ اس سوال کا جواب ایک پرزور "ہاں" سے دیتے ہیں اور میں فوراً یہ کہنے پر آمادہ ہوں کہ میں بھی اسی گروہ کا ایک فرد ہوں لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو نفی میں سر ہلائینگے۔ بعض یقین کی بنا پر اور بعض شبہ سے۔ اول الذکر کا نصب العین کامل آزادی ہے اور ثانی الذکر کا مستعمراتی درجہ مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ آیا نظری حیثیت سے وہ ایک درخت کی دو شاخیں ہیں یا وہیں ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں اور یا ان میں سے ایک دوسرے کی نفی تو نہیں کرتی مجھے صرف اس سے سروکار ہے کہ مستعمراتی درجہ میں بہت حد تک آزادی موجود ہے جو کامل آزادی کی سرحد تک پہنچ جاتی ہے اور ہم ہر وقت اسے کامل محکومی پر ترجیح دے سکتے ہیں۔ اسلئے میں ذلت آفریں محکومی کو

اس آزادی سے بدل لینے کا مخالف نہیں جو مستعمراتی درجہ میں موجود ہے بشرطیکہ دعوت مباولہ دیجائے لیکن میں مستعمراتی درجہ کو اپنا نصب العین قرار نہیں دے سکتا کیونکہ یہ ایک دوسری جماعت کی جانب سے پیش کیا جائیگا جس پر مجھے کوئی اختیار نہیں میں صرف اسی صورت میں یہ اختیار حاصل کر سکتا ہوں کہ صمیم قلب سے مکمل آزادی کے حصول کا کام شروع کر دیا جائے میں نے صمیم قلب سے اسلیئے کہا کیونکہ میں محض دھوکے پر آگے نہیں بڑھ سکتا صرف اسی وقت جبکہ کامل آزادی کا آستانہ پیش نظر ہو صاحب اختیار جماعت اس سے پست تر چیز کے لیئے گفت وشنید پر آمادہ ہوجائیگی، نرا دھوکا ہمیں اس درجہ پر نہیں پہنچا سکتا۔ ٹھوس کام اور سچی قربانی سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے جب یہ کام ہوجائیگا اور قربانی کی جائیگی تو صاحب اختیار جماعت جو چاہیگی منوائیگی۔ وہ مستعمراتی درجہ ہوگا یا کامل آزادی اسکا دارومدار اس امر پر ہے کہ آیا اس وقت کے حالات و اسباب آئرلینڈ کے حالات و اسباب سے مشابہ ہونگے جب کہ اُسنے مستعمراتی درجہ حاصل کیا۔ یا وہ حالات و اسباب ہونگے جن کے ماتحت ریاستہائے متحدہ امریکہ نے کامل آزادی کی دولت حاصل کی۔ اس اثنا میں ہمارے سامنے ایک جانب تو موت وزیست کی طویل کشمکش ہوگی اور دوسری جانب ہمیں مسلسل روک اور دباؤ اور ساتھ ہی کبھی کبھی شدید جور وجبر کا شکار ہونا پڑیگا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ منزل خواہ کوئی ہو ہمیں اُس تک پہونچنے کے لیئے اسی ایک خارزار سے گذرنا پڑیگا۔ اگر ہم اسکے لیئے تیار نہیں تو آزادی ایک خواب ہے۔ اور مستعمراتی درجہ ایک سراب۔

میں یہاں وائسرائے کی تقریر کے ایک اور حصہ پر توجہ کرنا چاہتا ہوں جسکے اقتباسات میں پیش کر چکا ہوں انھوں نے اُن نقصانات کی ایک تاریک تصویر کھینچی ہے جو ہندوستان کو اپنے ان چھوٹے دوستوں کے ہاتھوں اٹھانا پڑینگے۔ جو اسکی رہنمائی آزادی کی دلدل کی جانب کر رہے ہیں۔ آزادی کو دلدل سے تعبیر کرنا کسی قدر صحیح ہے لیکن اگر یہ کہا جاتا کہ منزل آزادی تک پہونچنے سے پیشتر ہمیں دلدل سے گذرنا پڑیگا تو زیادہ صحیح ہوتا لیکن یہ دلدل چہار سمت سے ہمارا احاطہ کیئے ہوئے ہے اور ہم اُسے عبور کیئے بغیر کسی منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔ ہمارے دوست جو اس تحریک کے حامی ہیں کہتے ہیں کہ کیوں نہ خالص اور مکمل آزادی کے حصول کی کوشش کیجائے جسکا انحصار ہماری اپنی کوشش پر ہے خواہ اس مقصد میں کتنی ہی دقت اور محنت صرف نہ کرنا پڑے۔ بجائے اسکے کہ مستعمراتی درجہ کیلئے ہاتھ پاؤں مارے جائیں جسکا دارومدار برطانیہ کی چشم التفات پر ہے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم وقت اور محنت ضایع کرکے اور قربانیاں کرکے مستعمراتی درجہ کے لیئے اس دلدل میں ہاتھ پاؤں مارینگے۔ اور راہ کو مسدود پاکر پلٹ کر اسی مقام پر آرہینگے جہاں سے چلے تھے۔ اور پھر اسی دلدل میں آزادی کی جدوجہد کیلئے کود پڑینگے۔

میرے نقطۂ خیال سے مستعمراتی درجہ آزادی کے راستہ میں واقع ہے اور اگر وہاں آپ کو نہ ٹھہرا دیا گیا تو آپ پھر اسی منزل مقصود کی جانب جو آزادی کامل ہی ہے بڑھتے چلے جائیے لارڈ اروِن کی دلیل پر جس کی بنیاد تاج برطانیہ کی وفاداری پر ہے بہ آسانی زیادہ زور دیا جاسکتا ہے وفاداری اچھی چیز ہے لیکن غیر محدود بوجھ برداشت نہیں کرسکتی۔

لیکن یہ امر بدیہی ہے کہ آزادی دنیا سے نکل جانے کا نام نہیں، اگر آپ دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں تو آپ کو دوسرے لوگوں سے جو اسی دنیا میں آباد ہیں واسطہ پڑیگا۔ موجودہ زمانہ میں یہ امر نہ تو ضروری ہے اور نہ ممکن کہ ایک مطلق العنان سلطنت دنیا کی دوسری سلطنتوں سے سیاسی، عمرانی اور اجتماعی تعلقات منقطع کرلے۔ بلکہ آپ جسقدر زیادہ مطلق العنان ہیں آپ کو اسی قدر زیادہ تعلقات قائم کرنا پڑینگے۔ اسلیئے جب ہم برطانیہ سے انقطاع تعلقات کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ ہر نوع کے تعلقات منقطع ہوجائینگے۔ بلکہ ہمارا مقصود اس سے موجودہ تعلقات میں اس نوع کی تبدیلی ہے جو محکومی کو آزادی میں تبدیل کر دے۔

اس تغیر کی حد کا انحصار اس امر پر ہے کہ ہمیں کس حد تک آزادی حاصل ہوئی۔ اگر مستعمراتی درجہ ملا تو اس تغیر کی یہ صورت ہوگی کہ ہم محکوم قوم سے ترقی کرکے خود مختار، آزاد، اور برطانوی دولت عامۂ ملل میں برابر کے شریک بن جائیں گے۔ اور اگر مکمل آزادی حاصل ہوگئی تو ہندوستان برطانوی دولت عامہ کے دائرہ سے نکل جائے گا۔ اور برطانیہ سے اُس کے تعلقات اس نوع کے ہونگے جو معاہدہ اور باہمی مفاہمت سے قائم کیئے جائینگے۔ اگر ہم ایشیا اور دنیا کا مستقبل بنانے میں عملی حصہ لینا چاہتے ہیں تو دونوں صورتوں میں ہمیں اقوام کے ساتھ جن میں برطانیہ بھی شامل ہے کسی قدر تعلق رکھنا پڑے گا۔

مہاتما گاندھی جی نے بلگام کانگریس کی صدارت کے دوران میں ارشاد فرمایا تھا:۔

"میری رائے میں اگر حکومت برطانیہ کے قول و نیت میں"
"مطابقت ہے، اور وہ مساوات حاصل کرنے میں دیانتداری"
"سے ہماری مدد کرے تو یہ چیز برطانیہ سے کلیتہً انقطاع"
"تعلقات سے بڑی فتح ہوگی۔ اس لیئے میں برطانوی"
"سلطنت کے اندر رہ کر سوراج حاصل کرنیکی کوشش کرونگا۔"

"لیکن اگر برطانیہ کی اپنی غلطی سے یہ انقطاع لازمی ہوگیا"
"تو مجھے اس میں بھی کوئی پس و پیش نہیں ہوگا اور اس طرح"
"میں علیحدگی کی ذمہ داری انگریزوں پر عاید کرونگا"

اس تقریر کو چار سال گذر گئے۔ اس وقت سے کئی واقعات پیش آچکے ہیں سلطنت برطانیہ کے اندر رہ کر سوراج کے حصول کی زبردست کوشش کی لیکن ابھی تک انگریزوں نے دیانتداری سے ہمیں مساوات کا درجہ دینے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ بلکہ تمام آثار اسکے برعکس ہیں ذمہ دار برطانوی مدبرین متواتر دستوالی یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ کامل مستعمراتی درجہ کی منزل ابھی بہت دور ہے۔ اسلیئے مجھے ان لوگوں سے پوری ہمدردی ہے جن کے صبر و شکیب کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے اور جو اب کامل انقطاع تعلقات کی صدا بلند کر رہے ہیں لیکن ہمیں مہاتما گاندھی کی تقریر کا مفہوم پوری طرح سمجھنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے ان کی یہ مراد ہرگز نہیں تھی کہ جب ہمیں یقین ہوجائے کہ برطانیہ ہمیں مستعمراتی درجہ دینے پر تیار نہیں تو ہم بلا لحاظ اس امر کے کہ آیا ہم اسے حاصل کرنے کے لیے تیار بھی ہیں یا نہیں فوراً کامل آزادی کا اعلان کر دینگے۔ میرے نزدیک ان کی مراد اس عہد سے تھی جبکہ ہم عنان حکومت و اختیار حاصل کر لینگے۔ اور یہ مسلم ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ مہاتما جی نے اپنے اسی خطبہ میں فرمایا تھا۔

"آج دنیا کے بہتر دماغ ایسی مطلق العنان ریاستوں کے خواہشمند نہیں جو آپس میں بیکار آزائی کرتی رہیں بلکہ وہ ایک دولت مشترکہ کے خواہاں ہیں جو ایک دوسری سے متوصل ایسی ریاستوں پر مشتمل ہو جس میں دوستانہ تعلقات بعض اسقدر ہوں کہ تحصیل کا زمانہ شاید دور ہو میں اپنے ملک کیلئے کوئی عظیم مطالبہ کرنا نہیں چاہتا لیکن اگر ہم مطلق العنانی کی بجائے ایک عالمگیر دولت مشترکہ پر آمادگی کا اظہار کریں تو ہمیں اسمیں کوئی تامل یا موقع نظر نہیں آتی اس امر کا اعلان ہم برطانیہ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ہندوستان کو حقیقی اتحاد سمجھے گا"

اسکے بعد اس تقریر کا وہ بلیغ حصہ آتا ہے جس پر ہم غور و فکر کر چکے ہیں۔ میں آپ سے مخلصانہ سفارش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے:۔

"میری خواہش ہے کہ ہم مطلق العنانی کا دعویٰ کیئے بغیر کامل مطلق العنانی کی قابلیت حاصل کرلیں جب"
"برطانیہ اعلان کرتا ہے کہ اسکے نزدیک ہندوستان کی منزل مقصود سلطنت کے اندر مساوات کامل ہے تو اس"
"دوران میں میں جو اسکیم مرتب کرونگا وہ برطانیہ سے تعلق کی تغیر خود مختاری نہیں بلکہ اس سے اتحاد پر مشتمل ہوگی"

جہانتک ہندوستان کی منزل مقصود کے متعلق برطانیہ کی رسمی اعلان کا تعلق ہے وہ سلطنت کے اندر کامل مساوات ہے اسلیئے آل پارٹیز کمیٹی نے جو اسکیم مرتب کی اور جسے کانفرنسوں نے منظور کیا وہ مہاتما جی کے خیالات سے بالکل مطابق ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی قوت و طاقت کا ثبوت بہم پہنچائے بغیر انگلستان سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور قوت و طاقت کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ اور اپنے ذرائع وسائل کی تنظیم کریں اس قسم کی تنظیم جسقدر کامل آزادی کے حصول کی سعی کرنے والوں کیلئے ضروری ہے اسیقدر ان لوگوں کیلئے بھی ضروری ہے جو مستعمراتی درجہ کے خواہشمند ہیں۔ بنا بریں ہمارے لئے بدیہی طور پر یہی طریق کار ہے کہ ہم متحد ہو کر اس منزل تک بڑھتے چلے جائیں جہاں تک ضعیف ترین شخص بھی ہمارا ہمسفر بن سکتا ہے اس منزل تک پہنچتے پہنچتے اگر ہمارے ہمسفر کی آنکھوں سے حجاب اٹھ گیا تو ہم اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے چلے جائینگے میں ان لوگوں کو بھی مطمئن کر دینا چاہتا ہوں جنہیں یہ اندیشہ ہے کہ جب ہمیں مستعمراتی درجہ مل گیا تو ہم برطانیہ سے قطعاً تعلقات منقطع کر لیں گے۔ لارڈ اروِن نے اپنی تقریر میں جسکے اقتباسات میں پیش کر چکا ہوں کہا ہے

" اگر برطانیہ کے باشندوں کو یقین ہو گیا جیسا کہ بعض لوگ انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ نام نہاد مستعمراتی درجہ کی قدر و قیمت ہندوستانیوں کی نگاہ میں صرف اسقدر ہے کہ وہ اسے برطانوی دولت عامہ سے کلی انقطاع تعلقات کا زینہ بنا لیں تو برطانیہ میں جن لوگوں کو ہندوستان کے نصب العین (آئیڈیل) یعنی تاج برطانیہ کے زیر سایہ مستعمراتی درجہ کے حصول کے مقصد سے ہمدردی ہے انہیں ہمدردی کے لئے کوئی گنجائش نظر نہیں آئیگی "

یہ اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے اور اسکی کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہمیں دیگر مستعمرات کیساتھ کامل درجہ مساوات حاصل ہو جائے تو ہم برطانیہ سے قطعاً انقطاع تعلقات کی کوشش کیوں کریں اگر ہمیں یہ درجہ نہ دیا گیا تو پھر ہم مستعمراتی درجہ ہمارا نصب العین نہیں ہو گا۔ اور ہم نقلی جواہرات نہیں لینگے اسلئے یہ صاف صاف سمجھ لینا چاہئے کہ مستعمراتی درجہ پیش کیا جائے جو اپنی تمام پیچیدگیوں عہود و شرائط اور حقوق کے ساتھ قبول کر لیا جائے گا اور فریقین ان پر کاربند ہونگے، اور انکا احترام کرینگے لیکن جیسا مہاتما جی نے فرمایا ہے۔

" اگر برطانیہ کی اپنی غلطی سے انقطاع ضروری ہو گیا تو ہم کلیتہً انقطاع تعلقات میں بھی پس و پیش نہیں کرینگے اسلئے یہ قرین قیاس ہے کہ برطانیہ کے طرز عمل سے ہم انقطاع پر آمادہ ہو جائیں اور اس صورت میں ہمیں وہی درجہ دیا جائے جو مستعمرات کو اب حاصل ہے "

اب مجھے یقین ہے کہ میرے اس قول کی وضاحت ہو چکی ہے کہ میں کامل آزادی کا حامی ہوں اور ساتھ ہی مستعمراتی درجہ کا مخالف بھی نہیں بشرطیکہ موخرالذکر طویل تعویق و تاخیر کے بغیر دیا جائے یہ کہنا ناممکن ہے کہ اس نفسیاتی لمحہ میں کس جماعت کے ہاتھ میں عنان اختیار ہوگی آج برطانیہ عظمے صاحب اختیار ہے اور اسکی جانب سے کامل مستعمراتی درجہ پیش کرنے اور ہندوستان کی جانب سے قبول کر لینے کا نفسیاتی لمحہ آپہنچا ہے، اگر برطانیہ عظمے نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو کل ہندوستان کو اختیار حاصل ہو جائیگا اور وہ نفسیاتی لمحہ آجائیگا کہ وہ برطانیہ سے کامل آزادی چھین لے اس وقت مستعمراتی درجہ کی دعوت قابل قبول نہیں ہوگی۔ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو مستعمراتی درجہ کو قابل التفات نہیں سمجھتے اور انہیں امید ہے کہ موجودہ حالت میں جائداد کے متعلق شخصی حقوق کی تنسیخ اور تعدیہ محصول سے وہ اس طرح مساویانہ تقسیم دولت کر سکتے ہیں تاکہ زیادہ دولت اور زیادہ افلاس دونوں کا قلع قمع ہو جائے وہ خود تو گرانبار زنجیروں میں مقید ہیں اور حوصلے یہ ہیں کہ دنیا سے ملوکیت کا نام و نشان ہی مٹادیں وہ ممالک جو صدیوں سے آزادی کامل کی دولت سے بہرہ یاب ہو رہے ہیں وہ بھی اپنے حوصلہ مندانہ لائحہ عمل کا ایک جزو بھی حاصل نہیں کر سکے لیکن انقلاب روس کی مثال برمحل اور بے محل پیش کی جاتی ہے گویا ہندوستان کے حالات روس کے ان حالات سے مشابہ ہیں جنکے ماتحت اسنے اپنے آئین کہن کی بساط الٹ دی تھی لیکن روس میں بھی مساویانہ تقسیم دولت کا وجود نہیں پایا جاتا۔ لینن کی نئی اقتصادی پالیسی نے "فارغ البال کسانوں" کا ایک طبقہ پیدا کر دیا ہے اور مساوات کے علمبردار جلاوطنی میں خستہ حالی کے دن گذار رہے ہیں یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ سوویٹ حکومت کی عنان اختیار جن لوگوں کے قبضہ میں ہے انہیں جوابی انقلاب کا بھوت دکھائی دے رہا ہے اور وہ ڈکٹیٹر کے نام سے ایسے افعال کا ارتکاب کر رہے ہیں جن سے آزاد شہریوں کے ابتدائی حقوق کی نفی ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ روس ایک عظیم الشان تجربہ کر رہا ہے اس عظیم مقصد کے لیے جو ذرائع استعمال کئے جا رہے ہیں ان سے بھی اغماض کیا جا سکتا ہے لیکن اس تجربہ کی کامیابی یا ناکامی قطعی طور پر ابھی روس کی مثال کو تاریخی نظائر و شواہد میں سے سمجھ لینا بہت قبل از وقت ہے۔

روس کو جانے دیجیے اور یہ دیکھیے کہ ہندوستان میں ہمارے یہ دوست کیونکر یہ مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ عوام کی تنظیم اور عوام کی عملی جدوجہد سے یہ چیز حاصل کی جائے لیکن انہوں نے کوئی نئی تجویز پیش نہیں کی بلکہ وہ مہاتما گاندھی کے پرانے اصول یعنی سیاسی حلقہ میں تدریجی غیر متشددانہ عدم تعاون اور معاشرتی دائرہ میں اقوام مظلوم کی بیداری اور عورتوں کی

نجات پر عمل کر رہے ہیں لیکن ان سے یہ کسنے کہا ہے کہ اس پر عمل نہ کیجئے عملی کام کے اس پروگرام پر جو ہمارے دوستوں نے پیش کیا ہے جبتک پوری طرح عمل نہ کیا جائے مستعمراتی درجہ کا حصول بھی قرین قیاس نہیں۔

لیکن وہ کہتے ہیں کہ مستعمراتی درجہ قبول نہ کرنے کیلئے انکے پاس اہم دلائل و براہین موجود ہیں اس قسم کی جسقدر دلیلیں انکی تقاریر سے معلوم ہوتی ہیں میں ان پر تبصرہ کرونگا۔ کہا جاتا ہے کہ مستعمراتی درجہ ملوکیت کو تباہ نہیں کریگا۔ میرا جواب یہ ہے کہ کامل آزادی سے بھی یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا کامل آزادی دنیا کے اکثر دوسرے ممالک میں یہ کام نہیں کر سکی اس میں کوئی شک نہیں کہ کامل اجتماعیت سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے لیکن ایک ایسے ملک میں جو گرانبار زنجیروں سے مسلسل و مطوق لیئے غاصب و جابر فرمانرواؤں کے قدموں پر پڑا ہو کامل اجتماعیت کا قیام گویا آسمان سے چاند تارا لینے کی تمنا کرنا ہے ہمیں مستعمراتی درجہ کا ذکر کرنے سے بھی پہلے ان زنجیروں سے رہائی حاصل کرنا ہے انہیں اصولوں پر یہ حقیقت آموز دلیل پیش کیجاتی ہے کہ برطانوی دولت عامہ ملل ایک شاہنشاہی جمعیت ہے اور ہمیں دنیا کی مقہور و مظلوم اقوام کیخلاف اس سے کسی غیر مقدس اتحاد میں شریک نہیں ہونا چاہیئے لیکن اس سوء اتفاق کو کیا کیجئے گا کہ ہم بحالت موجودہ دنیا کی کسی دوسری قوم سے کم مقہور و مظلوم نہیں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ جب ہم اس ظلم و ستمگری سے ایک مرتبہ نجات حاصل کر لینگے تو دوسری قوموں کو مقہور و مظلوم بنانے میں کیوں برضا و رغبت تعاون کرینگے یہ بھی صحیح ہے کہ جو لوگ آج مستعمراتی درجہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہیں وہ بھی غاصبانہ دراز دستی کا عمل چھوٹے پیمانہ پر کھیل رہے ہیں لیکن ہندوستان بھی یہی چیز اختیار کرنے پر مجبور نہیں ہوگا بشرطیکہ اسے پوری طرح وہی مرتبہ حاصل ہو جائے جو دوسری نو آبادیات کو حاصل ہے اب اس امر میں جائے کلام نہیں کہ مستعمرات اس بات پر مجبور نہیں کہ اپنی خواہش کے خلاف جنگ و پیکار کے زمانہ میں انگلستان کے ساتھ شرکت کریں۔

غالباً اس سلسلہ میں سب سے اہم دلیل پیش کی جاتی ہے کہ مستعمراتی درجہ میں جسقدر آزادی ہے وہ باعتبار نوعیت محدود ہے اسکا مطالبہ کامل آزادی کے نصب العین سے ہماری توجہ ہٹا دیگا اور ایثار و قربانی کی اہمیت کا نشوونما ہو کر رک جائیگا۔ شاید یہ ان لوگوں کی کیفیت ہو جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ برطانیہ کی فیاضی ہمیں مستعمراتی درجہ کا عطیہ بخش دیگی لیکن ایسے لوگوں پر منطبق نہیں کر سکتے جنکا اعتقاد ہے کہ یہ چیز قربانی کی پوری اہمیت پیدا کرنے کے بعد عملی جدوجہد سے حاصل ہو سکتی ہے مستعمراتی درجہ کے خلاف دوسری دلیلیں یہ ہیں کہ برطانیہ ہندوستان کو یہ دولت عطا نہیں کریگا مجھے ان دلائل سے اتفاق ہے اور میں چند اور دلائل بھی پیش کر سکتا ہوں جن سے یہی نتیجہ مستنبط ہو سکتا ہے لیکن میں ان لوگوں سے نزاع نہیں کرتا

چاہتا جنہیں برطانیہ عظمیٰ پر زیادہ اعتماد ہے اور میں انہیں ایک موقع دینے کیلئے تیار ہوں مجھے آج یہ توقع نہیں کہ اگر میں انکے ساتھ اس راہ پر چلنے سے انکار کردوں جو دونوں میں مشترک ہے تو وہ اپنے طریق کار سے انحراف کرکے میرے ہمسفر بن جائینگے یہ دلیل بھی اسی نوع کی ہے کہ مستعمراتی درجہ قطعاً ہمارے لئے ناموزوں ہے اور دولت عامہ ملل کے دوسرے ارکان کیساتھ ہمارا نباہ نہیں ہوسکتا یہ بھی صحیح ہے اسلئے نہیں کہ ہم میں کوئی موروثی ناقابلیت ہے بلکہ اسلئے کہ دولت عامہ کے دوسرے ارکان اپنے گروہ میں ہمیں کامل مساوات کی بنا پر شامل نہیں کرینگے لیکن ایک ہی قضیہ مختلف طریقوں سے پیش کیا جارہا ہے اور دراصل اسکے معنی یہ ہیں کہ ہمیں کبھی مستعمراتی درجہ نہیں دیا جائیگا اسکا جواب یہ ہے کہ ہم اس سے کم کوئی چیز لینے پر رضامند نہیں ہونگے۔

میں نے اپنے بعض دوستوں سے جو مستعمراتی درجہ کو لعنت تصور کرتے ہیں اکثر سوال کیا کہ اگر انہیں آج یہ چیز ملجائے تو وہ کیا کرینگے مجھے اسکا یہی جواب ملا کہ اگر یہ دعوت حکومت برطانیہ کی جانب سے دی گئی تو وہ اس پر غور کرینگے میں نے پھر یہ سوال کیا کہ آل پارٹیز کانفرنس نے جو اسکیم منظور کیگئی ہے اگر اسکے بڑے بڑے اصول منظور کرلئے جائیں تو آیا وہ اسے قبول کرینگے، مجھے کبھی اس سوال کا کوئی واضح جواب نہیں ملا لیکن مستعمراتی درجہ کو اساس قرار دیکر کسی نظام حکومت کی ترتیب پر ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اس قسم کی دعوت دینا برطانیہ کا کام ہے ہندوستان کا کام نہیں اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو اقوام آج "مستعمراتی درجہ" کے مرتبہ پر قائم ہیں انھوں نے اس کے لئے جنگ نہیں کی بلکہ کامل آزادی کی جدوجہد کے دوران میں برطانیہ کی جانب سے یہ چیز پیش کی اور انھوں نے یہ مرتبہ حاصل کرلیا اسکے متعلق میرے ذہن میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ہمیں مستعمراتی درجہ حاصل کرنا ہے تو معنوی حیثیت سے ہندوستان میں بھی یہی عمل کیا جائیگا اور جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ہم اسے اسوقت تک قبول نہیں کرسکتے جبتک کامل آزادی پیش نظر نہ ہو لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر حکومت کیلئے شرائط پیش کرنے کی راہ کھلی ہوئی ہے تو اسی طرح ہمارے لئے یہی راہ کیوں کھلی ہوئی نہیں اگر یہ چیز پیش کرنے والوں کے نزدیک اسی طرح قابل عزت ہے جس طرح قبول کرنے والوں کیلئے تو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ پیش کرنے والا کون ہے اور قبول کرنے والا کون۔ میں اس پر یقین نہیں کرتا کہ عسکریت میں کوئی شخص دیش بندھو چترنجن سے زیادہ بیباک اور بےنفس محب وطن اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ان سے بڑا جنگ آزما سپاہی موجود ہے میں آپ کو انکی وہ تقریر یاد دلاتا ہوں جو انھوں نے فرید پور میں ارشاد فرمائی تھی اور جس میں انھوں نے کہا تھا کہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ کھوئی ہوئی قوت کے حصول نشوونما ذاتی اور تکمیل نفس کا منصفانہ اور پورا موقع دیا جائے انھوں نے

دفتری حکومت کی جانب سے تعاون برقرار کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کیا بشرطیکہ وہ اس قسم کا ایک موقع دیتی اپنے طرز عمل میں حقیقی تبدیلی کر دیتی اور اس بات کی ذمہ داری لے لیتی کہ کامل سوراج مستقبل قریب میں خود بخود حاصل ہو جائیگا" یہ دعوت ضعف و کم ہمتی کی نشانی نہیں تھی بلکہ پورے احساس قوت کیساتھ پیش کی گئی تھی انہوں نے اعلان کیا تھا کہ اگر ہماری دعوت مصالحت کا کوئی جواب نہ دیا گیا تو ہم جن اصولوں پر گذشتہ دو سال سے قومی کام کرتے رہے ہیں، کرتے رہینگے اور اس طرح حکومت کیلئے یہ ناممکن ہو جائیگا کہ مخصوص اختیارات استعمال کئے بغیر ملک کا نظم و نسق کر سکے اور جب وقت آیا تو ہم اپنے اہل وطن کو مشورہ دینگے کہ وہ محاصل بھی نہ ادا کریں جنھیں مخصوص اختیارات کی مدد سے وصول کرنے کی کوشش کی جاتی ہے"

یہ ایک مدبر سیاست دان، فلسفی اور آزادی وطن کیلئے پامردی سے جدوجہد کرنے والے سپاہی کے الفاظ ہیں وہ شخص جو خود اعتمادی کی تعلیم پر اعتقاد رکھتا تھا اور اسیکا درس دیتا تھا اسنے عین اسوقت جبکہ جنگ آزمائی کی تیاریوں میں مصروف تھا دعوت مصالحت دینے کو اپنے وقار و عظمت کے منافی تصور نہیں کیا، کیا ہم نے چتر نجن داس آنجہانی کے انتقال کے بعد اپنے سیاسی اختیارات میں ایک شمہ بھر اضافہ کیا ہے جس سے ہمیں زیادہ بلند اور ارفع سطح پر کھڑا ہونے کا حق حاصل ہو جاتا؟

محض جذبات کی بنا پر اس نوع کی دعوت قابل اعتراض بھی سمجھ لی جاتی ہے اور پھر یہ آمادگی اور قلبی خواہش بھی ہے کہ اگر فریق ثانی کی جانب سے یہی دعوت دیجائے تو اسے قبول کر لیا جائے اس سے تو ایک مسموم ذہنیت کے آثار ہویدا ہیں دراصل برطانیہ اس نوع کی ایک دعوت نہایت سنجیدگی اور متانت سے دے چکا ہے کیونکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی تمہید اسی چیز پر مشتمل ہے۔ صحیح طریق کار یہ ہے کہ ایک جوابی دعوت دیجائے۔

آل پارٹیز کانفرنس نے یہی فرض انجام دیا ہے اسکی تصدیق اور منظوری کے متعلق بہت کچھ کہا جا چکا ہے میں اس سلسلہ میں گاندھی جی کے ایک بیان سے اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرونگا انھوں نے آل پارٹیز کمیٹی کی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے "ینگ انڈیا" میں ارشاد فرمایا تھا

"ابھی گفت و شنید کا بہت سا کام باقی ہے لیکن اس سے زیادہ اہم ضروری چیز اسکی تصدیق کا حصول ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے یہ درست کہا ہے کہ خواہ مستعمراتی درجہ ہو یا کامل آزادی اگر قومی مطالبہ پیش کرنا ہے تو اسکی تصدیق اور منظوری ضروری ہے اگر اسکی تصدیق

عدم تشدد کے اصولوں پر کبھی چلے تو بردولی نے ہمیں راستہ دکھادیا ہے عدم تشدد کانگریس کے عقیدہ کا ضروری جزو ہے اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بردولی سے پیشتر عدم تشدد زاویۂ گمنامی میں پہنچ چکا تھا لیکن جسطرح نہرو رپورٹ نے مشترکہ مطالبہ ممکن کر دیا ہے اسیطرح بردولی نے ہمیں ازسر نو عدم تشدد کا معتقد بنادیا ہے اسلئے اگر ہمیں اسکی تصدیق اور استحکام کا یقین ہے تو ہمیں یہ فکر نہیں کرنا چاہئیے کہ آیا سوارج کا مفہوم مستعمراتی درجہ ہے یا کامل آزادی مستعمراتی درجہ بآسانی کامل آزادی سے زیادہ سودمند ثابت ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم اسے منظور کرالیں اور اگر کامل آزادی اس چیز سے محروم ہے تو اسے ایک سوانگ سمجھنا چاہئیے۔ حقیقت کے سامنے محض نام کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

گلاب کے پھول کو آپ خواہ کسی نام سے جانتے ہوں لیکن اس سے اسکی دلآویز نکہت میں فرق نہیں آتا آؤ اکہ ہم تہیہ کرلیں کہ آیا ہم عدم تشدد پر عمل کرینگے یا تشدد پر اور تمام صفائیٔ کیا رخلوص نیت اور سرگرمی سے اسے منظور کرانے کی کوشش میں اسی طرح مصروف ہو جائیں جسطرح کہ ماہرین سیاست کے لئے ترتیب دستور و آئین کا کام ضروری ہے۔"

اب میں نے اپنے دوسرے سوال کا جواب بھی دیدیا ہے اور وہ یہ ہے کہ

"ہماری منزل مقصود آزادی ہے جسکی حد اور صورت کا انحصار اسوقت اور اسوقت کے حالات واسباب پر ہوگا جبکہ ہم اسے حاصل کرینگے۔"

اس اثنا میں ہمارے لئے صرف یہی طریق کار ہے کہ اس کام میں مصروف رہیں جو آزادی کی تمام اشکال و مدارج کے لئے ضروری ہے، ہر حالت میں یہ کام یکساں ہے اور اب میں اس پر تبصرہ کرتا ہوں۔

یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ اسی کانگریس نے جو آزادی کامل کو اپنا نصب العین قرار دے چکی ہے ایک اور قرارداد کے روسے تمام جماعتوں کو دعوت دی کہ وہ کانگریس کی مجلس عاملہ سے مشورہ کرکے ہندوستان کیلئے ایک دستور مرتب کریں جس کی بنیاد مشترک مفاہمت پر ہو یہ امر اسوقت اسیقدر بدیہی تھا جسقدر اب ہے کہ کانگریس کے دائرہ سے باہر کوئی جماعت ایسی نہیں جو عملی سیاست کے متعلق اپنے تصور کا نقطۂ نگاہ کانگریس کی طرح بلند رکھے اور اسکا نصب العین کامل آزادی کا بام رفیع ہو اسلئے یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ کانگریس نے جب یہ تحقیق و تدقیق شروع کی تو اسے اس حقیقت نفس الامری کا پورا

علم تھا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں جبکہ کامل آزادی محض نصب العین ہی نہیں بلکہ دوسرا قدم قرار دیا گیا تھا مجلس عاملہ کو آل پارٹیز کانفرنس یا کنونشن طلب کرنیکی ہدایت دینے سے مقصود اصلی کیا تھا؟ اس سے یقیناً دل لگی مقصود نہیں تھی، کانفرنس کی اہمیت اور اسکے فیصلوں کی سیاسی قدر وقیمت واضح ہے اور کانگریس نے جب یہ قرارداد منظور کی تو اس پر بھی آشکارا ہوگی لیکن اسوقت کانگریس صحیح طور پر اس امر کا تصور نہیں کر سکتی تھی کہ آل پارٹیز کانفرنس کے فیصلہ کے بعد دوسرا قدم کیا ہوگا اس کا دارومدار تو اس امر پر ہے کہ کس حد تک مفاہمت ہو چکی ہے اور فیصلہ کی نوعیت کیا ہے اور اس وقت یہ چیزیں معلوم نہیں ہو سکتی تھیں۔

مجلس عاملہ نے آل پارٹیز کانفرنس طلب کرکے مدراس کانگریس کی ہدایات کی تکمیل نہایت پابندی اور خوش اسلوبی سے کی یہ امر محتاج بیان و توضیح نہیں کہ ان قومی اجتماعات کو ہندوستان کے دستور اساسی کیلئے ایک مشترک اساس تلاش کرنے کی کوشش میں کسقدر کامیابی ہوئی ہماری پبلک تحریکوں کی تاریخ میں کوئی نظیر ایسی نہیں ملتی کہ اس سے پہلے کبھی متعدد سیاسی مذہبی جماعتیں اور تجارتی مجالس اور عمال کے ادارے جنھوں نے ان اجتماعات میں شرکت کی اسطرح ایک مشترک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے ہوں اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس عظیم کامیابی کے لئے جو غالباً ترک موالات کے زمانہ کے بعد عظیم ترین کامیابی ہے کانگریس مستحق ستائش ہے جسکے ذہن میں سب سے پہلے یہ خیال آیا علی الخصوص کانگریس کے صدر ڈاکٹر انصاری اسکے لئے مستحق تحسین ہیں کہ انھوں نے اسے خلعت تکمیل پہنانے کی غرض سے وقت صرف کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا اس اجلاس کے دوران میں ہی نیشنل کنونشن کی تجاویز آپکے سامنے پیش ہو جائینگی، سارا مواد آپکے سامنے ہوگا اور آپکا مقدس فرض ہوگا کہ آپ آئندہ منزل کی تعیین کرکے اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کرینگے جو مدراس کانگریس نے آپکے سپرد کردی ہے مدراس کانگریس سے آپکو ایک بڑی جائداد یعنی کامل آزادی کا نصب العین ورثہ میں ملا ہے آپ اس کی ذمہ داریوں سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتے مستقبل کا بہت کچھ دارومدار اس امر پر ہے کہ آپ کس طرح اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ آل پارٹیز کانفرنس نے جو کمیٹی مقرر کی تھی اصل رپورٹ اور اسکے ضمیمہ کی بنیاد بلند ترین باہمی مفاہمت کے اصول پر رکھی گئی ہے میں نہایت خلوص سے اس اصول کو کانگریس کی منظوری کے لئے پیش کرتا ہوں کانگریس بجائے خود ایک آل پارٹیز کانفرنس ہے اور اس کا فرض ہے کہ جو مسائل اسکے سامنے پیش ہوں ان پر

ہندوستان کے تمام باشندوں اور مختلف جماعتوں کی بہبود وفلاح کے زاویہ نگاہ سے نظر ڈالتے ابتک کانگریس اس فرض کو خود انجام دے رہی تھی اور لوگوں کی خیر وفلاح کیلئے طریق کار کی تعیین اور اسے اپنی پالیسی کی مطابقت کی ذمہ داری اسنے اپنے سر لے رکھی تھی کانگریس کی تاریخ میں پہلا موقع ہے کہ اُسنے ہندوستان کے باشندوں کو انکی مختلف نمائندہ جماعتوں کے توسط سے مدعو کیا تاکہ وہ اپنے لئے خود ایک بہتر طریق مقرر کرلیں اس میں کانگریس نے اختیار ذاتی کے اصول پر عمل کیا ہے جن لوگوں کو دعوت دی گئی تھی انھوں نے کانگریس کی دعوت منظور کرلی حالانکہ ترک موالات کے عہد سعادت وفیروزمندی میں انھوں نے ایسا نہیں کیا تھا جب کہ کانگریس کی پشت پر کروڑوں انسان تھے اور کئی مشہور مجالس نے اسکی حمایت نہیں کی کوئی بھی ایسی سیاسی، معاشرتی، مذہبی جماعتی، تجارتی، صنعتی یا عمال کی مجلس نہیں ہے جسنے آل پارٹیز کانفرنس اور نیشنل کانونشن میں حصہ نہ لیا ہو، اور اتحاد کی خاطر اپنی محبوب اور چیزوں کی قربانی نہ کی ہو یہ ایک ایسی کامیابی ہے جسپر دنیا کا کوئی ملک بھی بجا طور پر فخر وناز کرسکتا ہے اب اس کامیابی کے نتائج آپ کے سامنے پیش کئے جائینگے کیا آپ انھیں قبول کرلیں گے یا ٹھکرا دینگے اب آپ اختیار ذاتی کے مطالبہ پر اعتقاد رکھتے ہیں تو آپ کو اختلاف کی صورت میں بھی اسے ٹھکرانے کا کوئی حق حاصل نہیں اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا اس اسکیم پر اس حد تک اتفاق کرلیا گیا ہے کہ اسے اختیار ذاتی کا نتیجہ سمجھا جاسکتا ہے۔ اس سے جن لوگوں کو اختلاف ہے میں انہیں دو گروہوں میں منقسم کرتا ہوں، جماعتی، اور غیر جماعتی، اول الذکر کے متعلق میں صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں انہیں سمجھنے سے قاصر ہوں، اور مخصوص جماعتی مراعات کیلئے انکا مطالبہ جسکے ساتھ کامل آزادی کی خواہش بھی شریک ہے پورا نہیں کرسکتا، ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ملک کی قانون سازی پر قبضہ واختیار کا حق مٹھی بھر لوگوں کیلئے مخصوص کردینا چاہتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو محض اسلئے کہ انہیں مجالس مقننہ میں چند مزید نشستیں نہیں ملینگی مخلوط انتخاب کو ٹھکرانے پر آمادہ ہیں اسلئے مستعمراتی درجہ کی اسکیم سے انکے اختلاف کو سنجیدگی اور متانت پر محمول نہیں سمجھا جاسکتا، دوسرا گروہ زیادہ تو کانگریس کے ارکین پر مشتمل ہے جنہوں نے مدراس کی قرارداد میں لفظ "آزادی" سے پہلے "فوری" کا اضافہ کردیا تھا، اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اسوقت تک مطمئن نہیں ہوسکتے جبکہ سوسائٹی کا نظام تمام تر تبدیل کردیا جائے، ان کے اختلاف کو کانگریس کے فیصلہ پر چھوڑ دینا چاہیئے اور میں ان کا ہوں کہ رہ میں کانگریس کے سامنے سر تسلیم خم کردونگا

اب تک میں السرایے کی اس تقریر پر جو انھوں نے پچھلے دنوں اسی شہر کلکتہ میں کی تھی مخالفانہ نکتہ چینی کرتا رہا لیکن ہز اکسیلنسی کی تقریر کے ایک حصہ کی ستائش بھی مجھ پر فرض ہے جو مسئلہ زیر بحث سے متعلق ہے۔

"یہ بہانہ کرنا بے سود ہے کہ ہندوستان کی مختلف نسلوں مختلف طبقوں اور مختلف جماعتوں کے مختلف معیار نہیں لیکن اس نوع کا اختلاف غیر صحیح اور غیر فطری نہیں اگر مفاد میں تصادم ہو جاتا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک جماعت کا مفاد مٹا دیا جائے یا ایک جماعت کو اجتماعی حالت سے مطابقت کیلئے اپنی انفرادیت کا گلا گھونٹ دینا پڑیگا ان میں سے ہر ایک مخصوص استعداد کی مالک ہے اسکا مطمح نظر الگ ہے اور اسکے حقوق جدا ان میں سے ہر ایک کو اپنے دائرہ میں ضایع شدہ قوت کے حصول کا اہل ہونا چاہیئے اور ساتھ ہی قومی زندگی کی سکیم میں اپنے لئے ایک جگہ حاصل کرنا چاہیئے۔"

میں ان جذبات کی دلی تائید کرتا ہوں تاہم مجھے یقین نہیں کہ ہز اکسلنسی کے اور میرے مقاصد میں اختلاف نہیں میرا دعویٰ ہے کہ آل پارٹیز کمیٹی کی رپورٹ ہر جماعت کے لئے اپنے مطمح نظر کے حصول کی غرض کا میدان مہیا کرتی ہے اور ہر جماعت کو اپنے دائرہ میں کھوئی ہوئی قوت کے حصول کا موقع دیتی ہے اور ساتھ ہی قومی زندگی کی پوری اسکیم میں اسے الگ جگہ دیتی ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ لارڈ ارون کا مفہوم یہی نہیں لیکن میں اسے چھوڑ کر آگے چلتا ہوں:۔

اختیار ذاتی کے اصول سے قطع نظر کرکے آپ جس معیار پر آل پارٹیز کی اسکیم کو پرکھ سکتے ہیں وہ ملک کی حقیقی اور مستقل فلاح و بہبود ہے اگر آپ دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ملک کی حقیقی اور مستقل فلاح و بہبود مقصود نہیں بلکہ وہ ہماری منزل مقصود کی قربانی کرکے ایک عارضی منفعت پیش کرتی ہے تو اسے ٹھکرا دیجیے لیکن اسلئے نہ ٹھکرایئے کیونکہ وہ ان عقاید اور نظریات سے متصادم ہے جنہیں حالات کے اصلی حقائق سے سروکار نہیں:۔

نہ تو ان سفارشات کے مصنفین اور نہ اس کانفرنس نے جسنے انہیں منظور کیا انہیں نقص سے مبرا اور مکمل مشوروں کی حیثیت سے پیش کیا۔ میں اپنی جانب سے اور اپنے رفقا کی جانب سے یہ کہتا ہوں کہ ہم میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے تنہا ایسی ہی رپورٹ مرتب کر سکتا جسے ہم نے متحدہ طور پر کام کرکے مرتب کرنا اپنا فرض تصور کیا۔ بعض مسائل میں یہ رپورٹ ہم میں سے ہر ایک کے مسلمہ عقائد کیخلاف ہے مثلاً اقلیت کیلئے جماعتوں کی تخصیص کا مسئلہ ہمیں حالات کی ضرورت سے مجبور ہو کر اس قسم کی تخصیص کی سفارش کرنا پڑی:۔

اسلئے کانگریس کو ایک سوال کا جواب دینا پڑیگا کہ آیا یہ سفارشات و تجاویز بحیثیت مجموعی اس قدر قبیح ہیں اور ملک کی حقیقی اور مستقل فلاح و بہبود سے اس حد تک غیر مربوط ہیں کہ باوجودیکہ ملک کی متفقہ رائے انکی حامی ہے

انہیں مسترد کردینا فرض ہے اگر یہ بات نہیں تو کانگریس کیلئے انہیں قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ ان سفارشات کو دو عنوانوں کے ماتحت تقسیم کیا جا سکتا ہے عمومی اور جماعتی لیکن یہ دونوں اس طرح باہم دست و گریباں ہیں کہ آپ ایک کو مسترد اور دوسرے کو تسلیم نہیں کر سکتے اس امر پر زور دینا ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً جو تجاویز پیش کی جاتی رہیں ان میں ایک کا مفہوم یہ تھا کہ

آل پارٹیز کمیٹی نے جماعتی مسائل کا جو حل کیا ہے اسے تو کانگریس قبول کرلے لیکن مستعمراتی درجہ کا دستور مسترد کردے جن لوگوں نے یہ تجویز پیش کی انھوں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ جماعتی معاملات کا حل اور مستعمراتی درجہ کا دستور دونوں باہم لازم و ملزوم اور ایک دوسرے سے وابستہ ہیں انھوں نے لکھنؤ کی اس تجویز کو نظر انداز کردیا جسکے رو سے تمام جماعتوں نے اس امر پر اتفاق رائے کیا تھا کہ ان میں سے ہر ایک بحیثیت مجموعی اس رپورٹ کا حامی ہے اور جبتک اسکے تمام حصوں کو پوری طرح عمل میں لایا جائے وہ اسکے کسی ایک حصہ کو علیحدہ منظور کرنے سے انکار کردیگا۔"

ایسی نیم جماعتی اور نیم سیاسی مجالس موجود ہیں جو مستعمراتی درجہ کی حامی ہیں اگرچہ وہ اس جماعتی مفاہمت میں فریق کی حیثیت سے شامل نہیں ہوئیں بلکہ ایک متحدہ دستور کی ترتیب کیلئے ایسی چیزوں سے بھی دست کش ہوگئیں جنہیں وہ اپنے لازمی حقوق سمجھتی تھیں ملک کے طول و عرض میں سینکڑوں عام جلسے منعقد ہوئے جن میں ہر عقیدہ اور رائے کے لوگ شریک تھے جنہوں نے بحیثیت مجموعی ان سفارشات کو پسند کیا۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ کتنوں نے جماعتی معاملات کے حل کو مستعمراتی درجہ کے دستور کی وجہ سے قبول کرلیا۔ اور کتنوں نے اول الذکر کے سبب سے موخر الذکر کو قبول کیا ہمیں سب پر اعتماد قائم رکھنا ہے اسلئے مجوزہ راہ کانگریس کیلئے مسدود ہے یا تو کانگریس جماعتی معاملات کا حل اور مستعمراتی درجہ دونوں کو مکمل آزادی کے نصب العین کے باوجود قبول کرے یا پوری اسکیم کو ٹھکرا دے۔

میری نگاہ میں صورت حال یہ ہے ہمارے سامنے ایک دستور ہے جس پر مختلف جماعتیں جنہیں کانگریس نے دعوت ترتیب دی متفق ہیں یہ جماعتیں جانتی ہیں کہ کانگریس کا نصب العین مکمل آزادی ہے۔ کانگریس سے وہ یہ نہیں کہتیں کہ وہ اپنا نصب العین تبدیل کردے بلکہ اپنی مشقت کا ثمرہ اسکے سامنے پیش کرکے کہتی ہیں کہ وہ فی الحال اس حد تک چل سکتی ہیں اس سے آگے نہیں بڑھ سکتیں وہ دست تعاون موالات دراز کرکے کانگریس سے تعاون کی توقع کرتی ہیں تاکہ دونوں اس منزل تک پہنچ جائیں جہاں تک جانے کیلئے وہ تیار ہیں اس منزل پر پہنچنے کے بعد وہ اور کانگریس اس بارہ میں آزاد ہونگے کہ آئندہ منزل

کے متعلق غور و فکر کریں کیا کانگریس شرکت و تعاون اور انہیں آزادی دینے سے انکار کر دیگی کیا کانگریس انہیں متحد کر کے پھر اسی بادیہ افتراق میں الگ الگ چھوڑ دیگی جہاں وہ علیحدہ علیحدہ اپنی بہبود کی تدابیر کرینگے اور کانگریس اخیر وقت تک مستعرانی درجہ اور کامل آزادی کے محاسن و معائب پر لفظی تکرار کرتی رہیگی اگر کانگریس نے ایسا کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے اصلی فرض یعنی ملک کی ترقی اور پیشقدمی میں اسکی قیادت و رہنمائی سے دست بردار ہو گئی اسوقت ہمیں ایک قابلانہ رہنمائی کی ضرورت ہے علمی بحث و تحقیق بے سود ہے کیونکہ اس سے ہم کسی منزل پر نہیں پہنچ سکتے، قوم آپکے دروازہ پر دستک دے رہی ہے آپ اسے پوری طرح کھول دیجئے اسطرح کہ ہر شخص اسکے اندر داخل ہو سکے ورنہ سپہ سالاری کا مرتبہ آپ سے چھن جائیگا میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ یہ دعوت قبول کر لیجئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کی منزل مقصود کا راستہ صاف ہو جائیگا:۔

"اس منزل سے شروع کیجئے جہاں تمام جماعتیں پہنچ چکی ہیں اور جہاں تک وہ جا سکیں اُنکے ہمراہ بڑھتے چلے جایئے پھر توقف کیجئے اور اپنی طاقت و قوت کا جائزہ لیجئے۔ پھر اپنی پوری طاقت و قوت منزل مقصود پر پہنچنے کی عظیم الشان کوشش پر مرتکز کر دیجئے":۔

یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ہم کیونکر منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ سب سے پہلا اور واضح کام یہ ہے کہ پہلے اپنے گھر کی تنظیم کیجئے اس مقصد کیلئے تمام جماعتوں کو کانگریس کے عَلم کے نیچے جمع کر کے اس مشترک راہ کے انتہائی سرے تک پہنچنے کیلئے ان کے ساتھ دوش بدوش پیشقدمی کیلئے تیار ہو جایئے یہ اس دشوار گذار سفر کا پہلا حصہ ہوگا میں اس مقصد کیلئے حسب ذیل لائحہ عمل پیش کرتا ہوں:۔

(۱) جماعتی معاملات کے حل کو جس پر آل پارٹیز کانفرنس میں اتفاق رائے ہو چکا ہے مقبول عام اور ہر دلعزیز بنانے کیلئے اخبارات اور تقاریر کے توسط سے پروپگنڈا کیا جائے دیہات میں لیکچروں کا انتظام کیا جائے۔

(۲) دہلی یونٹی کانفرنس اور مدراس کانگریس کی تجاویز کے متعلق اسی قسم کے پروپگنڈا کی تنظیم کیجائے اور یہ کانگریس اُن جماعتی معاملات میں جو آل پارٹیز کانفرنس میں پیش ہوئے جو مناسب ترمیم و اضافہ مناسب سمجھے کرے۔

(۳) اچھوتوں اور مظلوم قوموں میں کام کیا جائے۔ (۴) مزدوروں کسانوں اور اہل صنعت و حرفت کی تنظیم۔

(۵) کھدر کو مقبول عام بنایا جائے اور غیر ملکی پارچہ کا مقاطعہ کیا جائے۔ (۶) ایسی معاشرتی رسوم کے خلاف جدوجہد کیجائے جو قومیت کی نشو و ارتقا میں حائل ہیں۔ (۷) اشاعت:۔

یہ امر قابل غور ہے کہ یہ لائحہ عمل خالص معاشرتی ہے مجھے یہ دعوی نہیں کہ اسکی کوئی شق میری طبعزاد ہے۔ میں نے اسے ایک طویل فہرست سے منتخب کیا ہے جو استغنائے شق اول کی سال سے ملک

اور کانگریس کی پیش نظر ہیں اگر میں یہ کہوں کہ ہم نے آج تک زبانی جمع خرچ کے سوا ان میں سے کسی کو جامہ عمل پہنانے کیلئے کوئی حقیقی خدمت نہیں کی تو مجھے قابل عفو سمجھا جائے۔

آپکو بظاہر یہ لائحہ عمل عامیانہ معلوم ہوگا لیکن در اصل یہی ایک حقیقی اساس ہے جس پر کامل آزادی کے سزاوار کا ہوا اور مستقمراتی درجے کے علمبردار محفوظ طریق پر اپنی امیدوں کی بنیاد استوار کر سکتے ہیں اول الذکر گروہ سے میں کہتا ہوں کہ اس عظیم قربانی کیلئے جو اس راہ میں شرط اوّل قدم ہے انکی اہلیت و استعداد کا اندازہ انکی اس کامیابی سے ہو سکتا ہے جو اس بظاہر سیدھے سادے اور معمولی لائحہ عمل کو جامۂ تکمیل پہنانے میں ان سے ظہور پذیر ہوگی۔ موخر الذکر سے میں یہ کہتا ہوں کہ انہیں مستقمراتی درجہ اسی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ اس لائحہ عمل کی تکمیل کر لیں۔

اگر ہم خلوص نیت سے یہ کام شروع کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بیش قرار رقوم اور منظم کام کی ضرورت ہے، یہ صرف کسی خاص مجلس یا فرد کا کام نہیں بلکہ ملک کی تمام مجالس اور افراد کا کام ہے جن کے دل میں آزادی کے حصول کی کم از کم تمنا موجود ہے جن لوگوں نے کانونشن میں شرکت کی۔ ان میں ملک کے ہر طبقہ کے نمائندے موجود تھے، دولتمند بھی تھے، فارغ البال بھی اور مفلس بھی، اہل دول کو چاہیئے کہ وہ اپنی دولت وافر صرف کریں فارغ البال لوگ اپنا اندوختہ اور مفلس اپنی حقیر بضاعت بڑے اور چھوٹے ہندوستانی والیان ریاست گرانقدر عطیے لیکر آگے بڑھیں اور اپنے اس دعوے کا ثبوت بہم پہنچائیں کہ انہیں ملکی سود و بہبود کی فکر ہے میں نے جو کچھ کہا وہ ایک خالص معاشرتی لائحہ عمل پر مشتمل ہے اور وہ لوگ جن پر سیاسیات کے دروازے بند ہیں اس میں حصہ لے سکتے ہیں لیکن کیا حکومت انہیں حصہ لینے دیگی؟ انگلستان اور ہندوستان کے برطانوی مدبرین جو مقدس ولولوں اور خواہشات کا اظہار کرتے رہتے ہیں اسطرح انکی دیانت کا امتحان بھی ہو جائیگا۔ میں یہ امتحان نہایت راستبازی اور انصاف پرستی سے لونگا، اگر کانگریس آئین وفاپرستی سے دور اور ایک انقلابی جماعت ہے تو اسے فنڈ سے جو ان لوگوں نے جمع کیا ہے جن کی وفاپرستی میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کوئی سروکار نہ رکھنے دیجیے ہمیں ایسے بہتیرے قابل اعتبار ذرائع مل سکتے ہیں جنھیں کانگریس یا گورنمنٹ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں اور ان وسائل سے اس فنڈ کا علیحدہ انتظام کیا جا سکتا ہے اور اسے انہیں مقاصد پر خرچ کیا جائے جنکی تفصیل میں اوپر بیان کر چکا ہوں اگر حکومت کے فیصلہ کی نیک نیتی اور دیانتداری پر مبنی ہیں تو وہ اعلان عام کر دے کہ ہندوستانی والیان ریاست، ہندوستان کی تجارتوں اور صنعتی حلقوں کے لکھ پتی لوگ بڑے بڑے زمیندار اور گورنمنٹ کے ملازمین کو پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ اس فنڈ میں

جسقدر روپیہ چاہیں دیں، اسکے خلاف کوئی ہدایت سربمہر لفافوں یا خفیہ تحریروں کی معرفت نہ بھیجی جائے انگریزی بنک یہ وعدہ کریں کہ ہندوستان کے تجارتی اور صنعتی اداروں نے اگر اس فنڈ میں حصہ لیا تو اُنپر وہ اپنے دروازہ بند نہیں کرینگے۔ یہ باتیں ہو جائیں تو اس لائحہ عمل کو بار ور کرنے کیلئے کافی روپیہ فراہم ہو جائے گا۔ لیکن ہم کانگریسی خوب جانتے ہیں کہ برطانیہ کی دفتری حکومت اور ان مقدس ارادوں اور خواہشات کی کیا حقیقت ہے جو اسے برسر قوت و اختیار دیکھنا چاہتے ہیں۔ حقیقی کام تو کانگریس کو ملک کی ترقی کرنے والی جماعتوں کی اعانت سے کرنا پڑے گا۔

اب میں اس لائحہ عمل کی مختلف شقوں پر اس تعلق کو پیش نظر رکھ کر تبصرہ کرتا ہوں جو اسے کانگریس کے ارکان سے ہے۔ شق (۱) و (۲) کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ میں نے ان شقوں کو سفارشات کے جماعتی حصہ تک محدود رکھا ہے جسکے متعلق ہم میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ اس کام کی اہمیت ظاہر ہے۔

شق ۳ کے متعلق بہت کچھ کہا جا چکا ہے لیکن اس راہ میں بہت کم کام کیا گیا ہے میری رائے میں یہ ہر کانگریسی کا فرض ہے کہ اپنی وسعت و مقدور کے مطابق اس کام میں نہایت سرگرمی سے حصہ لے۔ جہانتک کانگریس کے اراکین کا تعلق ہے چھوت چھات کا مسئلہ قطعاً مٹ جانا چاہئے اور کسی ایسے شخص کو جو اچھوتوں سے مساویانہ طریق پر میل جول رکھنے سے انکار کر دے کانگریس کی کسی مجلس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے مزید براں کانگریس کا ہر فرد باعتبار تناسب اپنی آمدنی کا یہ مقررہ حصہ کانگریس کے ایک خاص فنڈ میں اچھوتوں اور مظلوم قوموں کی تعلیم اور اصلاح کیلئے چندہ دے اور اگر وہ مالی مدد نہیں دے سکتا تو وہ اپنے وقت کا ایک حصہ بحیثیت معلم یا لیکچرار کے فرائض انجام دے اسکی ابتدا فوراً اسطرح کی جائے کہ دیہات کے موجودہ مکاتب و مدارس میں جسقدر طلبہ داخل کئے جا سکیں کئے جائیں اور جب فنڈ فراہم ہو جائے تو نئے مدارس قائم کئے جائیں، بالغ لوگوں کو نوشت و خواند سکھانے کیساتھ ساتھ شہری فرائض کے انصرام کے متعلق خاص نصاب مرتب کر کے لیکچر دیئے جائیں وہ کانگریسی جو پانچ سو روپیہ ماہانہ سے زیادہ کماتے ہیں انکا چندہ باعتبار تناسب آمدنی زیادہ سے زیادہ مقرر کیا جائیگا اور جنکی آمدنی اس سے کم ہے انکا چندہ باعتبار تناسب کم از کم مقرر ہوگا۔

نمبر ۴ و نمبر ۵ ساتھ ساتھ ہیں انجمن پارچہ بافان ہندان دو شقوں کے سلسلہ میں اچھا کام کر رہی ہیں لیکن ابھی اسے مزید اعانت کی ضرورت ہے۔ صفائی کے متعلق لیکچر دیئے جائیں اور ہر قریہ اور ہر حلقہ میں ایسی کمیٹیاں قائم کی جائیں جن سے مختلف دیہات میں اتحاد و تعاون کا رشتہ قائم کیا جائے۔

نمبر ۶ کا تعلق خواتین ہند سے ہے اور میں انہیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ کانگریس کے سامنے اپنی خدمات

پیش کریں۔ نمبر۲ ہر لائحہ عمل کی کامیابی کیلئے ضروری ہے لیکن ہم نے ابھی تک اس پر بہت کم توجہ کی ہے۔
اس خطبہ کے دوران میں مزید تفاصیل بیان کرتا ہوں تحقیق سے میری رائے میں آل انڈیا کانگریس
کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ اپنے آپکو مختلف سب کمیٹیوں میں منقسم کرے ہر کمیٹی کا صدر مجلس عاملہ کا ایک
رکن ہو اور مندرجہ بالا کام کا ایک یا ایک سے زیادہ حصہ اسے تفویض کیا جائے عملی کام کے لئے
صوبجات کی کمیٹیوں میں بھی اسی نوع کی سب کمیٹیاں مقرر کی جائیں جنہیں آل انڈیا کانگریس کمیٹی
کی سب کمیٹیوں کی جانب سے ہدایات ملیں گی باقی جزئیات و تفاصیل کو مجلس عاملہ پر چھوڑ دیا جائے۔
یہ تمام جماعتوں کیلئے ایک عام لائحہ عمل ہے جو کانگریس کی طرح انکے زاویہ نگاہ سے بھی ضروری
ہے اور میرے پاس یہ باور کرنے کیلئے وجوہ موجود ہیں کہ وہ اس کی کامل تائید کرینگی میں نے
جب یہ کہا تھا کہ ہمیں ایک خاص منزل تک ایک ہی راہ پر ہمسفر بننا پڑیگا تو اس قسم کا کام میرے
پیش نظر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس منزل تک پہنچنے سے پیشتر آپکے سامنے کامل مستعمراتی درجہ پیش
کر دیا جائیگا اور اس وقت اس پر غور و خوض کرنا آپکا کام ہوگا کہ آیا یہ چیز آپکے قابل قبول
ہے لیکن اگر برطانوی مدبرین کی کور چشمی اور بے بصری کا یہی عالم رہا اور انھوں نے مستعمراتی درجہ
پیش نہ کیا تو آپ نہایت سرعت اور تیز گامی سے اس مشترک راہ کی آخری منزل تک بڑھتے
چلے جائیں گے اور تمام جماعتیں آپکی پشت پر ہونگی اسوقت کامل آزادی کا آستانہ عظمت
آپکے پیش نظر ہوگا اور آخری وار کرنے کا موقع ہاتھ آجائیگا اسوقت دوسری جماعتوں میں سے
اکثر کانگریس میں جذب ہو جائینگی لیکن اگر کوئی جماعت کانگریس سے علیحدہ رہی تو آپ اسے
راستہ میں ہی چھوڑ کر باقی جماعتوں کی ہمراہی میں آگے بڑھتے چلے جائینگے۔ یہ لائحہ عمل کا دوسرا
حصہ ہے لیکن تفاصیل کا انحصار حالات و اسباب پر ہوگا، آج صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے
کہ یہ لائحہ عمل غیر متشددانہ ترک موالات پر مشتمل ہوگا جو پہلے سے زیادہ وسیع پیمانہ پر ہوگا۔
یہ ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا، لائحہ عمل کے پہلے حصہ پر کئی سال تک سال بسال عمل کیا جائیگا
کام کی تنظیم کیلئے وقت اور جانفشانی کی ضرورت ہوگی میں کانگریس کے تمام کام کو اس نوع
کی تنظیم کے دائرہ میں محدود کر دونگا تاکہ کام کا آغاز باحسن خوبی ہو جائے اور اسکی بنیاد ایک قابل
اطمینان اساس پر مستحکم کر دی جائے اسلئے مجھے یہ توقع نہیں دفتری حکومت ہمیں بامن و امان کام کرنے دیگی
ہمیں ابھی تک یاد ہے کہ ترک موالات کے زمانہ میں کانگریس کی بعض بے ضرر معاشرتی سرگرمیوں کو افسروں
اور انکے ماتحتوں نے کس طرح دبانے کی کوشش کی تھی میرا گمان یقین کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ تاریخ

اپنا اعادہ کریگی اور کانگریس کے ارکان کو مجبوراً قبل از وقت براہ راست عملی کارروائی شروع کر دینا پڑیگی ایسی توہی صورت
کیلئے ہیں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو یہ اختیار دیدیا جائیگا کہ اس اثنا میں جبکہ لائحہ عمل کے اس حصہ پر جو معاشرتی اصلاح سے
متعلق عمل کیا جا رہا ہے اس قسم کی فردی کارروائی کرے اس درمیانی کارروائی کی جزئیات کا انحصار بھی اس وقت کے حالات
پر ہوگا اور ابھی اسکے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا اب صرف ایک اہم مسئلہ یعنی مجالس مقننہ کے متعلق کانگریس کا طرز عمل قابل توجہ رہ گیا ہے
لائحہ عمل کے پہلے یعنی متذکرہ بالا معاشرتی کام کو ہم کونسل میں رہ کر مدد پہنچا سکتے ہیں تو ضرورت ہے کہ قانون ساز مجالس
میں جسقدر کانگریسی بھیجے جا سکیں بھیجے جائیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ تمام ترقی کرنیوالی جماعتوں کو سرکاری اور رجعت پسند عنصر کے
مقابلہ میں مجتمع کر دیا جائے۔ کانگریس والوں اور دوسرے قوم پرستوں میں گذشتہ انتخاب عام کے زمانہ میں جو سخت مقابلہ پیش آیا
اسنے دونوں کو کمزور کر دیا، انتخاب کے بعد جب انھوں نے کام شروع کیا اور رجعت پسندوں کی فوج انکے مقابلہ میں صف آرا
ہوگئی تو انہیں معلوم ہوا کہ تقریباً ہر موقع پر وہ متفق ہیں مستحسن یہی ہے کہ ہم گذشتہ تجربات سے نفع اٹھائیں اور ابتدا سے ہی شرکت و تعاون
کرکے متحدہ طور پر انتخاب میں شریک ہوں اور تصادم سے گریز کریں ہمکو انتظام مجلس عاملہ اور صوبجات کی کمیٹیوں کی مجالس
منتظمہ دوسری قوم پرست مجالس کیساتھ وقت پر شریک ہو کر کر سکتی ہیں اسطرح ہم دفتری حکومت اور اسکے دوستوں سے
جن میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جنھوں نے کسی طرح پر بھی سائمن کمیشن سے تعاون کیا ہے کھلم کھلا مقابلہ کر سکتے ہیں اس صورت
میں کانگریس کیلئے نہ تو یہ ضروری ہوگا اور نہ مستحسن کہ کونسل میں روزانہ کام کیلئے سخت قواعد وضوابط مرتب کرے کیونکہ اس قسم کے قواعد و
ضوابط ہمیشہ قابل اطمینان ثابت نہیں ہوتے اسلئے عملی طور پر یہی طریق اچھا ہے کہ مجالس مقننہ کی کانگریس پارٹی کو اپنے قواعد مرتب
کرنیکا اختیار دیدیا جائے اور یہ ہدایت کر دیجائے کہ یہ قواعد کانگریس کی پالیسی و لائحہ عمل سے عدم مطابقت نہ رکھتے ہوں کونسلوں
سے باہر کانگریسیوں کے طرز عمل اور سرکاری افسروں سے انکے تعلقات کے متعلق کانگریس جتنا اختیار ہے اور وہ ضبط و نظم کے معاملہ میں
زیادہ سخت نہیں ہو سکتی آل انڈیا کانگریس کمیٹی یا اسکی مجلس عاملہ کو اس معاملہ میں پورا اختیار دیا جائے اور اس سے پیشتر کہ ہم کلکتہ
روانہ ہوں ضروری ہدایات نافذ کر دی جائیں۔ مجھے بھی کچھ کہنا تھا بعض دوسرے معاملات بھی ہیں جو اس اجلاس میں پیش
ہونگے لیکن یہاں انکے متعلق کوئی خاص بات کہنا نہیں چاہتا میں نے صرف انہیں معاملات کا ذکر کیا ہے جو میرے نزدیک
بحالت موجودہ شدید ترین حقیقت ہے اور ایسا کرنے میں قومی فرض ان نازک موقع پر میرے ذمہ تھا ادا کرنیکی کوشش کی ہے میں جانتا ہوں
کہ میرے خیالات تمام لوگوں کیلئے علی الخصوص نوجوانوں کیلئے جنھوں نے کچھ عرصہ سے تمام موجودہ چیزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا
ہے اور اب سوسائٹی کی عمارت کو از سر نو نئی بنیاد پر تعمیر کرنا چاہتے ہیں قابل قبول نہیں ہونگے انکا مقصد یہ ہے کہ فوراً معمر لوگوں کو جو انکے سدراہ ہیں
اور جنھیں وہ مادر وطن کے تمام مصائب کا ذمہ دار سمجھتے ہیں نکالدیا جائے یہ کوئی نیا الزام نہیں اور نہ اسکا جواب نیا ہی ایک بوڑھے
برہمن کی حیثیت سے میرے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ جواب ایک آشیرباد کے طور پر دوں خدا کرے وہ اتنی مدت دراز تک زندہ رہیں کہ انکے
دانشمند فرزند بھی انسے یہی کہیں میں انکے اس اضطراب کی تعریف کرتا ہوں لیکن انسے کہتا ہوں کہ ملامت آگے بڑھو مجھے انکے مطمح نظر یا
اس عمل کا میں سے جو انکے پیش نظر ہے کوئی نزاع نہیں ہے میں اس رہ میں انکا ہمخیال ہوں کہ ان ظالمانہ دراز دستیوں کا خاتمہ ہو جانا چاہئے اور
ملوکیت کو مٹ جانا چاہئے لیکن ساتھ ہی میرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہم لعنت و ملامت سے غصب و نہب اور ملوکیت کو صفحۂ روزگار سے معدوم نہیں
کر سکتے بلکہ اس منزل کی جو راہ جاتی ہے وہ طویل اور سنسان ہے وہ خود بھی اس حقیقت سے باخبر ہیں اور اسکا ذکر کر چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عوام کی
تنظیم اور مختلف طبقوں کی باہمی کشمکش مٹا کر یہ مقصد حاصل ہوگا میں انہیں اول الذکر کا موید اور ثانی الذکر کے متعلق یہ کہونگا کہ اسے وہ
عوام پر جبکہ وہ منظم ہو جائیں چھوڑ دیں ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ ہندوستان کے لوگ کیا پسند کرینگے کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستانیوں
کی نگاہ انتخاب بلا روس کی جہت کے مختلف تعینات کی نوجوان اپنے خیالی بہشت میں زندگی بسر کرتے رہیں لیکن نہیں اس عملی کام کیلئے

مجھے جہاد حریت میں رہنمائی کے اہم اور ذمہ دارانہ فرض کی عزت بھی دی جا رہی ہے ... پیش اپنی ناچیز خدمات کو آپکے سامنے